رواداری اورامن وسلامتی کا تصوروا ہمیت سیرتِ طیبہ ﷺ کی روشنی میں

The Concept Of Tolerance And Peace And Tranquility And Its Importance - In The Light Of Teachings Of The Prophet (Peace Be Upon Him)

ڈاکٹر حافظ محمد ثانی [1]

ڈاکٹر عابدہ پروین [2]

ABSTRACT

The concept of Tolerance and Peace and tranquility and its importance - in the light of teachings of the Prophet (Peace Be Upon Him). The article, in view, as the title makes it evident, contains the concept and importance of tolerance and peace and tranquility in the teachings of the Prophet (Peace Be Upon Him). In the beginning of this research based article an analysis of the intolerance, extremism, peacelessness in different religions and civilizations before the exemplary period of Prophet (Peace Be Upon Him) and the advent of Islam. It presents Arab time of un-civilization revealed and unrevealed religion, modern time world was infested with intolerance, extremism in historical prospective critical analysis. The teachings of the Prophet (Peace Be Upon Him), life of the Prophet (Peace Be Upon Him) and his character, his tolerance, love of peace, endurance and tolerance, particularly at the times of treaty of Hudaibia and victory of Macca as love for humanity are also analyzed in compassion of present and every period of human history. It is proved that the character and life of the Prophet (Peace Be Upon Him) and his teachings are the guarantee of establishing tolerance, peace and tranquility in a society. In the present time, while the Muslim World is facing the challenges of terrorism, peacelessness and extremism, the teachings of Prophet Muhammad (Peace Be Upon Him) are the fountain head of guidance and they are the real guarantee of peace and safety.

یہ ایک تاریخی اور ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ اسلام امن وسلامتی کا داعی، تحمل وبرداشت، عفوودرگذر، رواداری اور احترام انسانیت کا سب سے عظیم علمبردار ہے۔ اس کی نگاہ میں بنی نوع انسان کا ہر فرد بلاتفریقِ مذہب وملّت احترام کا مستحق ہے۔ یہ رنگ و نسل، بدامنی ودہشت گردی، عدم برداشت اور انتہاپسندی کے ہر غیر اسلامی اور غیر انسانی جذبے سے یکسر پاک ہے۔ اسلام ''سلامتی'' اور ایمان ''امن'' سے عبارت ہے۔ اسلام نے دنیا کو امن وسلامتی اور احترامِ انسانیت کا درس دیا ہے۔ اس نے پرامن بقائے باہم کے

---

[1] صدر شعبہ قرآن وسنہ، ڈائریکٹر سیرت چیئر، وفاقی اردو یونیورسٹی، عبدالحق کیمپس، کراچی

[2] ایسوسی ایٹ پروفیسر، ایکٹنگ ڈائریکٹر، شیخ زاید اسلامک سینٹر، جامعہ کراچی

لئے بلاتفریقِ مذہب وملت، ''لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ''(۱) کا نظریہ عطا کر کے مذہبی رواداری اور امن وسلامتی کا فلسفہ عطا کیا۔ اسلام نے دنیا کو یہ پیغام دیا کہ مسلمانوں کا رب سارے جہانوں کا رب ہے، اس کی بڑی صفت یہ ہے کہ وہ ''رحمٰن ورحیم'' ہے۔ انسانیت کے نام اس کے ابدی اور آفاقی پیغامِ ہدایت، قرآن کریم فرقان حمید کی پہلی سورت ہی

الحمدللہ..... کے بعد ''الرحمٰن الرّحیم''(۲) کے الفاظ سے شروع ہوتی ہے۔ اس کی تین سو سے زائد آیاتِ مبارکہ میں اللہ کی صفتِ رحمت کا ذکر ہے۔ انسانیت کے ہادیٔ اعظم، سیّدِ عرب وعجم، پیغمبر آخروا عظم، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ''رحمۃ للعالمین'' بنا کر مبعوث فرمایا۔ آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ، صبر وبرداشت، عفو ودرگذر، رواداری امن وسلامتی اور احترام انسانیت سے عبارت ہے۔ بدامنی، دہشت گردی اور انتہا پسندی اسلام کی روح اور اسلامی تعلیمات کے منافی عمل ہے۔

پیغمبر اسلام، سرور کائنات، حضرت محمد ﷺ کے عطا کردہ ان افکار وتصورات اور نظریۂ حیات کی اہمیت جاننے کے لیے ضروری ہے کہ قبل از اسلام، بعثت نبوی سے قبل کے مذاہب اور مختلف انسانی معاشروں میں رواداری اور امن وسلامتی کے تصورات، تعلیمات اور ان کے کردار وعمل کا تاریخی وتحقیقی جائزہ پیش کیا جائے۔ جس سے تعلیماتِ نبویؐ اور اسوۂ رسول ﷺ کی روشنی میں رواداری اور امن وسلامتی کی عظمت واہمیت اجاگر ہو سکے گی۔

بعثتِ نبویؐ سے قبل عالمگیر بدامنی، عدم رواداری اور مذہبی انتہا پسندی: تحقیقی وتقابلی جائزہ:

پیغمبر رحمت، محسنِ انسانیت، ہادیٔ اعظم، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت کے وقت انسانیت مذہبی، نسلی اور طبقاتی لحاظ سے کس طرح تقسیم بدامنی اور انتہا پسندی کا شکار تھی، اس پر تبصرہ کرتے ہوئے ''محسنِ انسانیتؐ'' کے مؤلف نعیم صدیقی کیا خوب لکھتے ہیں: ''محسنِ انسانیتؐ کا ظہور ایسے حالات میں ہوا، جب کہ انسانیت تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ مصر اور ہندوستان، بابل اور نینوا، یونان اور چین میں تہذیب اپنی شمعیں گل کر چکی تھی۔ رومی اور ایرانی تمدنوں کی ظاہری چمک دمک آنکھوں کو خیرہ کرنے والی تھی، مگر ان شیش محلوں کے اندر بدترین مظالم کا دور دورہ تھا اور زندگی کے زخموں سے تعفن اٹھ رہا تھا۔ بادشاہوں کے ادل بدل، نت نئے فاتحین کے ظہور اور خوں ریز جنگوں کی وجہ سے حالات میں جو تموّج پیدا ہوا تھا، اس میں بھی کوئی راہِ نجات عام آدمی کے لیے نہ تھی۔ عام آدمی کو ہر تبدیلی کی چکّی اور زیادہ تیزی سے پیستی تھی، ہر قوت اسی کو آلہ کار بنا کر اور اسی کا خون صرف کر کے، اسی کی محنت سے استفادہ کر کے اپنا جھنڈا بلند کرتی اور پھر غلبہ واقتدار پانے کے بعد وہ پہلوں سے بھی بڑھ چڑھ کر ظالم ثابت ہوتی تھی۔ خود (اس دور کی دو بڑی عالمی طاقتوں) روم وایران کے درمیان مسلسل آویزش کا چکر چلتا تھا اور مختلف علاقے کبھی ایک حکومت کے قبضے میں جاتے اور کبھی دوسری سلطنت ان کو نگل لیتی، لیکن ہر بار فاتح قوت عوام کے کسی طبقے کو خوب اچھی طرح پامال کرتی۔ مثلاً رومی حکومت آتی تو آتش کدے کلیسا بن جاتے اور ایرانی راج چھا جاتا تو پھر کلیسا آتش کدے بن جاتے۔ دنیا کے اکثر حصوں میں طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ ٹکراؤ ہوتے، بار بار کشت وخون ہوتے، بغاوتیں اٹھتیں، مذہبی فرقے خوں ریزیاں کرتے، ان ہنگاموں کے درمیان انسان بہ حیثیت انسان بری طرح پامال ہو رہا تھا۔ اسے مظالم کے کولھو میں پیلا جاتا تھا، مگر تشدد کی خوف ناک فضا میں وہ صدائے احتجاج بلند نہیں کر سکتا تھا، اسے ضمیر کی آزادی کسی ادنیٰ درجے میں حاصل نہ تھی۔ کوئی مذہب اس کی دستگیری کے لیے موجود نہ تھا۔ انبیاءؑ کی تعلیمات تحریف و

تاویل کے غبار میں گم ہو چکی تھیں۔ یونان کا فلسفہ سکتے میں تھا، کنفیوشس اور مانی کی تعلیم دم بخود تھی۔ ویدانت اور بدھ مت کے تصورات اور منو شاستر کے نکات سر بگریباں تھے۔ جسٹینین کا ضابطہ اور سولن کا قانون بے بس تھا۔ کسی طرف کوئی روشنی نہ تھی۔ وہ خوف ناک ترین بحران اور انتہا پسندی کا ایک عالم گیر دور تھا، جس کی اندھیاریوں میں محسنِ انسانیتؐ کی مشعل یکا یک آ اُبھرتی ہے اور وقت کے تمدنی بحرانوں کی تاریکیوں کا سینہ چیر کر ہر طرف اجالا پھیلا دیتی ہے۔

خود عرب کا قریب ترین ماحول جو حضورؐ کا اولین میدانِ کار بنا، اس کا تصور کیجیے تو دل دہل جاتا ہے، عرب پر دورِ وحشت کی تاریک رات چھائی ہوئی تھی، تمدن کی صبح ابھی جلوہ گر نہیں ہوئی تھی اور انسانیت نیند سے بیدار نہ ہو پائی تھی، ہر طرف ایک انتشار تھا، انسانیت کے محسنِ اعظم حضرت محمد مصطفی ﷺ عظیم ترین تبدیلی کا پیغام لے کر یکہ و تنہا اٹھتے ہیں اور ایک عظیم انقلاب برپا کر دیتے ہیں۔'' (۳) ڈاکٹر محمد حمید اللہ ''بعثتِ نبویؐ کے وقت دنیا کی حالت'' کے زیرِ عنوان دنیا کے مذاہب اور ان تہذیبوں کا مذہبی، سیاسی، تمدنی اور تاریخی جائزہ اختصار اور جامعیت کے ساتھ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''غرض اس زمانے میں جدھر بھی دیکھو، دنیا میں تباہی اور فتنہ و فساد ہی تھا، کسی جگہ بلند نظرانہ عالی ہمتی اور دردمندانہ انسانیت پروری نظر ہی نہ آتی تھی۔ ضرورت تھی کہ پوری دنیا کو اب جھنجھوڑ کر یاد دلایا جائے کہ وہ سب ایک ہی آدمؑ کی اولاد ہیں۔ (۴) مغربی دانش ور جے ایچ ڈینی سن (J.H.DENISON) رقم طراز ہے: ''پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی میں مہذب دنیا افراتفری کے دہانے پر کھڑی تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چار ہزار سال کی مدت میں جس تہذیب نے بال و پر نکالے تھے، وہ منتشر ہونے والی ہے اور انسان پھر اسی بربریت کی جانب لوٹ جانے والا ہے، جس میں ہر قبیلہ اور گروہ ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرا ہو جائے اور امن و امان معدوم ہو جائے''۔ (۵)

مشہور مغربی مصنف رابرٹ بریفالٹ Robert Briffault لکھتا ہے:

From the fifth to tenth century Europe lay sunk in a night of barbarism which grew darker and darker. It was a barbarism for more awful and horrible than that of the primitive savage, for it was the decomposing body of what had once been a great civilization. The eatures and impress that civilization were all but completely affected. When its development had been fullest, e.g., in Italy and Gaul, all was ruin squalor, dissolution.(۶)

''پانچویں صدی سے لے کر دسویں صدی تک یورپ پر گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی اور یہ تاریکی بتدریج زیادہ گہری اور بھیانک ہوتی جا رہی تھی، اس دور کی وحشت و بربریت زمانہ قدیم کی وحشت و بربریت سے کئی درجہ زیادہ بڑھی چڑھی تھی، کیوں کہ اس کی مثال ایک بڑے تمدن کی لاش کی تھی جو سڑ گئی ہو، اس تمدن کے نشانات مٹ رہے تھے اور اس پر زوال کی مہر لگ چکی تھی، وہ ممالک جہاں یہ تمدن برگ و بار لایا اور گزشتہ زمانہ میں اپنی انتہائی ترقی کو پہنچ گیا تھا، جیسے اٹلی و فرانس، وہاں تباہی، طوائف الملوکی اور ویرانی کا دور دورہ تھا۔''

چناں چہ بعثتِ نبویؐ جسے قرآن عالمِ انسانیت پر احسانِ عظیم قرار دیتا ہے، واقعی انسانیت پر پوری انسانی تاریخ کا سب سے عظیم، سب سے منفرد اور سب سے بڑا احسان تھا۔ قرآنِ کریم نے ''ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ'' (۷) کہہ کر اس عہد میں دنیا کی تمدنی، معاشرتی اور مذہبی حالت کی نشان دہی کی ہے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے بقول: ''رسول اللہؐ نے جس وقت اپنی عمر مبارک کے چالیس سال پورے کیے، اس وقت دنیا آگ کی ایک خندق کے بالکل کنارے بلکہ یہ کہنا درست ہوگا کہ لبِ بام کھڑی تھی، پوری نسلِ انسانی تیزی کے ساتھ خودکشی کے راستے پر گامزن تھی، یہ وہ نازک وقت تھا جب انسانیت کی صبحِ صادق طلوع ہوئی، محروم و بدقسمت دنیا کی قسمت جاگی اور بعثتِ نبویؐ کا وقت

قریب ہوا، اللہ تعالیٰ کی سنّت بھی ہے کہ جب تاریکی بڑھ جاتی ہے اور قلوب سخت اور مُردہ ہونے لگتے ہیں، تو اس کی رحمت کا کوئی جواں نواز جھونکا چلتا ہے اور انسانیت کے خزاں رسیدہ چمن میں بہار آجاتی ہے۔''(۸)

بعثتِ نبویؐ سے قبل عرب عہدِ جاہلیت میں بدامنی اور عدم رواداری:

ہادیِ عالم، انسانیت کے محسنِ اعظم حضرت محمد ﷺ جس مقدس سرزمین مکۂ معظمہ میں مبعوث ہوئے، اسلام کی آمد اور بعثتِ نبویؐ کے وقت وہ وحشت وغارت گری، بدامنی اور انتہاپسندی کا مرکز بنا ہوا تھا۔

علّامہ شبلی نعمانی عرب عہد جاہلیت کی ''سفاکی و بے رحمی'' پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''رات دن کی لوٹ مار اور کُشت وخون سے ان میں درندوں کے تمام اوصاف پیدا ہوگئے تھے، زندہ جانوروں کو درخت وغیرہ سے باندھ دیتے اور ان پر تیراندازی کی مشق کرتے، لڑائیوں میں حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر ڈالتے، کبھی عورتوں کو گھوڑے کی دُم سے باندھ کر گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتے کہ ان کے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے اُڑ جاتے، اس قسم کی سزائیں اکثر عرب سلاطین اور رؤساء دیا کرتے تھے۔(۹)

یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اسلام سے قبل عرب جاہلیت میں اہلِ مکہ کی کوئی مرکزی تنظیم نہ تھی، معمولی بات پر جنگ شروع ہوتی اور نسل در نسل جاری رہتی، ان وحشیانہ جنگوں میں سیکڑوں گھرانے برباد ہو چکے تھے۔ ان جنگوں کا تاریک ترین پہلو یہ تھا کہ ان لڑائیوں نے ''ثار'' انتقامِ خون کی رسم پیدا کر دی تھی، ہزاروں برس کے خون قومی قرض کی طرح باقی چلے آتے تھے۔ جو درج رجسٹر ہوتے اور بچے بچے کی زبان پر رہتے تھے، جو بچہ پیدا ہوتا، وہ ہوش سنبھالتے ہی ''ثار'' انتقام کا لفظ سنتا، بچے بچے کی زندگی کا نصب العین ابتدائے زندگی سے ''ثار'' انتقام ہوتا۔(۱۰) وہ جنگ کو اونٹ سے تشبیہ دیتے تھے، جو سب سے زیادہ انتقام کیش جانور ہے اور جب زمین پر اچانک بیٹھتا ہے تو اس کے بھاری بھرکم سینے اور گردن کا بوجھ ہر اس چیز کو چور چور کر دیتا ہے جو اس کے اندر آجاتی ہے۔ ایک عرب شاعر نے خوب بلاغت سے بھرے ہوئے کلام میں کہا ہے:

انتختم علینا کلکل الحرب مرۃ　　　فنحن نیخرھا علیکم بکلکل

یعنی جس طرح تم نے ہمارے اوپر لڑائی کے اونٹ کو بٹھا کر ہمیں چُور چُور کر دیا تھا، ہم بھی تمہیں پاش پاش کر دیں گے۔(۱۱)

جاہلیت کے عربوں کے جذبۂ انتقام کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ عرب جتنے عرصے خون کے انتقام کے درپے رہتے، اپنے لیے شراب پینا حرام سمجھتے تھے۔(۱۲) جاہلیت کی جنگوں اور خون ریزیوں کو مورخین ''ایام العرب'' سے موسوم کرتے ہیں جن کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز ہے۔ میدانی نیشاپوری المتوفی ۵۱۸ھ نے ''کتاب الامثال'' میں ان میں سے ۱۳۲ جنگوں کے نام گنانے کے بعد لکھا ہے، یہ فن شمار کا استقصاء نہیں کر سکتا۔(۱۳) معروف محقق ''تاریخ الجاہلیۃ'' کے مولف ڈاکٹر عمر فروخ نے عہدِ جاہلیت کی جنگوں پر نہایت علمی اور تحقیقی بحث کی ہے، چنانچہ موصوف ایک موقع پر لکھتے ہیں: ''اما عدد ایام العرب فعظیم جداً لا یمکن ان یدخل تحت العصر''۔(۱۴)'' جاہلیت کی جنگیں اتنی زیادہ ہیں کہ جنہیں کسی مخصوص عہد یا زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں کیا جاسکتا۔'' اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے وہ مزید لکھتے ہیں: ''ذٰلک لانّ حیاۃ العرب الاقتصادیۃ کانت قائمۃ فی الحقیقۃ علی الغزو، و کان ھذا الغزو متصلاً''۔(۱۵) اس بناء پر کہ عرب جاہلیت کی اقتصادی زندگی درحقیقت جنگوں کے گرد گھومتی ہے اور یہ جنگیں مسلسل اور بے درپے تھیں۔(۱۶)

عرب محقق جرجی زیدان کے مطابق عہد جاہلیت کی خوں ریز، وحشیانہ اور طویل ترین جنگ کی تاریخ چوتھی صدی عیسوی کے اواسط

سے شروع ہوتی ہے اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت چھٹی صدی عیسوی کے اوائل تک جاری رہتی ہے۔(۱۷) چنانچہ عہد جاہلیت کی جنگی تاریخ اور اس موضوع سے متعلق تفصیلی اور تحقیقی معلومات ''تاریخ الجاہلیۃ'' ص ۷۷ تا ص ۱۰۶ پر دیکھی جا سکتی ہیں۔ زمانۂ جاہلیت کی ان خوں ریز اور وحشیانہ انسان دشمن جنگوں میں ''حرب بسوس'' اور ''عبس وذبیان'' کو مرکزی حیثیت حاصل رہی، موخر الذکر جنگ مسلسل چالیس برس تک جاری رہی۔ ایک عرب سردار اس کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہتا ہے: دونوں قبیلے مٹ گئے، ماؤں نے اپنی اولاد کھودیں، بچے یتیم ہوگئے، آنسو خشک نہیں ہوتے، لاشیں دفن نہیں کی جاتیں۔(۱۸) مرنے کے بعد بھی انتقام کا جوش طرح طرح کی نفرت انگیز صورتوں میں ظاہر ہوتا تھا، مُردوں کے ہاتھ، پاؤں، کان، ناک وغیرہ کاٹ لیتے تھے، ہندہ نے جنگِ اُحد میں اسی جذبے کے تحت حضرت حمزہؓ کے اعضا کاٹ کر ہار بنایا اور گلے میں پہنا۔(۱۹) عرب شاعر امرؤالقیس نے اپنے والد حجر کے قتل کے انتقام کے جذبے کے تحت قاتلوں کے ناک کان کاٹ ڈالے، اور ان کی آنکھوں میں گرم لوہے کی سلائیاں پھروادیں، زرہوں کو آگ میں تپا کر انہیں پہنادیا۔(۲۰)

مذاہبِ عالم اور بدامنی وانتہا پسندی

الہامی مذاہب: یہودیت میں بدامنی، عدم رواداری اور انتہا پسندی کا تصور:

نسلی منافرت، مذہبی تعصب، عدم رواداری اور انتہا پسندی کے حوالے سے یہودی تمام مذاہب میں سب سے منفرد اور سب سے ممتاز ہیں، چناں چہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ یہودیوں نے مختلف زمانوں میں اپنے پیغمبروں کو جھٹلایا، ان کو تکلیفیں دیں، بلکہ ان کو قتل تک کر ڈالا، حضرت موسیٰ اور ان کے بعد کوئی پیغمبر ایسا نہ ہوگا، جس نے ان کی سنگ دلی کا ماتم نہ کیا ہو اور ان کی سرکشی پر ان کے حق میں بددعا نہ کی ہو۔ ان کی انتہا پسندی کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے انبیاءؑ کو قتل کرنے سے بھی دریغ نہ کیا۔ قرآنِ کریم کا بیان ہے:

''ویقتلون النّبیین بغیرِ الحق، ذٰلِک بما عصَوا و کانوا یعتدون(۲۱) اور وہ ناحق پیغمبروں کو قتل کرتے ہیں، اس لیے کہ وہ نافرمان اور حد سے بڑھنے والے ہیں۔

''سورۂ آلِ عمران'' میں اس سے بھی بڑھ کر ہر حق کے داعی اور خیر کے مبلّغ کے قتل کردینے کا الزام بھی ان پر بجا ہے: ''اِنّ الّذین یکفرون بایٰتِ اللہ و یقتلون النّبیین بغیرِ حقٍ وّ یقتلون الّذین یأمرون بالقسطِ مِن النّاس فبشّرھم بعذابٍ الیم''(۲۲) بے شک، وہ لوگ جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے اور پیغمبروں کا ناحق قتل کرتے اور ہر اس شخص کی زندگی کے دشمن بن جاتے ہیں، جو ان کو انصاف اور نیکی کا حکم دیتے ہیں، تو انہیں دردناک عذاب کی خبر دے دیجیے۔

سورۂ بقرہ اور سورۂ آلِ عمران میں یہودیوں کے ایک ایک عیب کو کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ ان کی وحشت و غارت گری، بدامنی، سفاکی، سنگ دلی اور تعصب کا سب سے دردناک سانحہ وہ ہے، جو اسلام سے ۵۰، ۶۰ برس پہلے یمن میں پیش آیا کہ یہودیوں نے نجران کے عیسائیوں کو گڑھوں میں آگ جلا کر ان میں جھونک دیا۔ قرآنِ کریم نے اس مذہبی انتہا پسندی اور ظلم و تشدد پر مبنی پُردرد داستان کو ان لفظوں میں بیان کیا ہے: ''قُتِلَ اَصحٰبُ الاُخدُودِ النّارِ ذاتِ الوَقُودِ اِذھُم علیھا قُعُودٌ وّھُم علٰی مایفعلون بالمؤمنین شُھُودٌ وما نقمُوا منھُم اِلّا اَن یُّؤمِنُوا باللہِ العزیزِ الحمیدِ''(۲۳) گڑھے والے لوگ مارے گئے، بھڑکتی آگ کے گڑھے جب وہ ظالم ان کے کنارے بیٹھے ایمان والوں کے ساتھ جو کر رہے تھے، اسے دیکھ رہے تھے، ان کا گناہ یہی تھا کہ وہ غالب اور خوبیوں والے خدا پر ایمان رکھتے تھے۔

یہودیوں کی مذہبی تاریخ جبر وتشدد اور مذہبی انتہاپسندی سے عبارت ہے۔ متعدد انبیائے کرامؑ کو انہوں نے قتل کیا، حضرت عیسیٰؑ اور خود رسولِ اکرمؐ کے قتل کی کوششوں میں وہ پیہم مصروف رہے۔ ان کی انتہاپسندی اس درجے عروج پر تھی کہ وہ باہم ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے۔ مختلف قبائل اور مختلف فرقوں کے افراد باہم دست وگریباں رہتے۔ بعثتِ نبویؐ کے وقت ان کی انتہاپسندی اس درجے عروج پر تھی کہ وہ ایک دوسرے کے وجود تک کو برداشت کرنے کو تیار نہ تھے۔ آپس میں قتل وخوں ریزی کا بازار ان میں گرم تھا۔ ایک طاقت ور قبیلہ دوسرے کم زور قبیلے کو قتل اور بے گھر کردیتا تھا۔ (۲۴) قرآن نے ان کے متعلق اس طرح بیان کیا ہے: ''ثُمَّ اَنْتُمْ هٰۤؤُلَاۤءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ تُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ'' (۲۵) پھر تم ہی لوگ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرتے اور ایک گروہ کو ان کے گھروں سے نکالتے ہو، ان کے برخلاف گناہ اور ظلم سے مدد کرتے ہو۔

علاوہ ازیں ''تورات'' میں بدامنی، عدم رواداری اور مذہبی انتہا پسندی کے حوالے سے جو تعلیمات ملتی ہیں، وہ درج ذیل ہیں: (۲۶)

☆ جب خداوند تیرا خدا انہیں تیرے قبضے میں کردے، تو وہاں کے ہر ایک مرد کو تلوار کی دھار سے قتل کر...... ان قوموں کے شہروں میں جنہیں خداوند تیرا خدا تیری میراث کردیتا ہے۔ کسی چیز کو جو سانس لیتی ہو، جیتا نہ چھوڑیو۔ (۲۷) ☆ خداوند نے ساؤل کو حکم دیا: سو تو اب جا اور عمالیق کو مار اور جو کچھ ان کا ہے، یک لخت حرم کر (قتل کر) اور ان پر رحم مت کر، بلکہ مرد اور عورت اور ننھے بچے اور شیر خوار، بیل، بھیڑ اور اونٹ اور گدھے تک سب کو قتل کر۔ (۲۸) ☆ تورات کے مطابق خدا کی طرف سے حضرت موسیٰؑ کو حکم ملتا ہے: ''جب کہ خداوند تیرا خدا انہیں تیرے حوالے کردے تو، تو انہیں مار اور حرم کر، نہ تو ان سے کوئی عہد کر اور نہ ان پر رحم کر۔ (۲۹)

عیسائیت میں بدامنی اور عدم رواداری کا تصور:

بعثتِ نبویؐ کے وقت عیسائی مختلف فرقوں اور گروہوں میں تقسیم تھے، چنانچہ پانچویں صدی عیسوی کے اوائل میں خود عیسائیوں کے دو گروہوں کے درمیان ایک مذہبی جنگ چھڑی جس میں ۶۵۰۰۰ عیسائیوں کو جلا وطن ہونا پڑا۔ اس جنگ کے علاوہ ہمہ وقت ہر فریق دوسرے فریق کے خون کا پیاسا رہا کرتا اور بار بار معمولی باتوں پر کُشت وخون کی نوبت آجاتی، پادریوں نے اپنے مذہبی منصب کو حصولِ جاہ کا ایک ذریعہ قرار دے دیا تھا۔ علامہ شبلی نعمانی کے بقول ''عیسائی پادریوں کے اسقفِ اعظم سینٹ سرل نے عدم رواداری اور انتہا پسندی کے نتیجے میں جو سفاکیاں کی ہیں، ان کی تفصیل کے لیے پوری ایک کتاب درکار ہے۔ ایک مرتبہ اس نے اپنے مُریدوں کو ہمراہ لے کر غیر مسلح یہودیوں پر حملہ کیا اور ان سب کو جلاوطن کردیا۔ ان کی عبادت گاہیں زمیں بوس کردی گئیں، یہ واقعات ایسے ہیں جن کے ذکر سے آج بھی قلم لرزتا ہے، مگر عیسائی مذہب کے علمبرداروں کے یہ سب سے روشن کارنامے ہیں''۔ (۳۰) یہی حالت ان تمام ملکوں کی تھی، جہاں رومیوں کے زیر سایہ عیسوی مذہب پھیلا تھا۔ یعقوبی، نسطوری اور دیگر عیسائی فرقے جو سرکاری عیسوی مذہب سے الگ تھے، وہ دور دراز علاقوں میں پناہ ڈھونڈنے پر مجبور تھے۔ (۳۱)

پانچویں صدی عیسوی میں چرچ کا مشن تھا کہ جہاں جہاں اس کے پاس سیاسی قوت موجود ہے، یعنی مغرب اور مشرق دونوں جگہ وہاں دیگر مذاہب اور عقائد کا خاتمہ کردیا جائے۔ ۴۵۳ء میں ایک قانون کے تحت جو لوگ عیسائی نہیں تھے، ان کی اور منحرفین کی جائیدادیں ضبط کرلی گئیں، سزاؤں میں موت کی سزا تجویز ہوئی کہ جس میں انہیں مصلوب کیا جاتا تھا، زندہ جلا دیا جاتا تھا، یا جانوروں کے آگے ڈال دیا جاتا تھا۔ (۳۲)

مورخین کا بیان ہے کہ تیسری صدی عیسوی سے ساتویں صدی تک مسیحیت کی جو حالت رہی ہے، وہ اس کے لیے باعثِ ننگ ہے۔

مستشرق جارج سیل ترجمۂ قرآن کے دیباچے میں لکھتے ہیں: ''گرجا کے پادریوں نے مذہب کے ٹکڑے کرڈالے تھے، امن و محبت اور نیکی کو مفقود کردیا تھا...... جسٹینین کے عہد میں سفاکی اور بدامنی کا یہ عالم تھا کہ اپنے عقیدے کے مخالفین کو مارڈالنا کوئی جرم نہیں سمجھا جاتا تھا۔(۳۳) قسطنطینِ اعظم نے جب عیسائیت کو قبول کیا اور مسیحیت ایک مملکت کا مذہب بن گئی تو نتیجہ یہ نکلا کہ مسیحی شمشیرزنوں کے سامنے کوئی اخلاقی حد قائم نہ رہ سکی۔ مسیحیت تلوار کے زور سے پھیلتی گئی، انسانی خون سے خدا کی زمین رنگین ہوگئی اور شرانگیزی وفتنہ پردازی، خوں ریزی وغارت گری ہمیشہ کے لیے عیسائیت میں آئینِ حیات بن گئی۔ ۶۳۰ء میں ہرقل (HERACLIUS) نے عیسائی پادریوں اور مذہبی رہنماؤں کے ایماء پر یہودیوں سے انتقامی جذبے کے تحت بدترین انتقام لیا اور یہودی مفتوحین کا اس طرح قتل عام کیا کہ رومی مملکت میں صرف وہ یہودی بچ سکے جو ملک چھوڑ کر چلے گئے یا کہیں چھپے رہے۔(۳۴)

جب کہ اس سے قبل ۶۱۰ء میں شہنشاہ فوقا (PHOCAS) نے یہودیوں کی سرکوبی کے لیے انطاکیہ میں مشہور فوجی افسر ابنوسوس (BONOSUS) کو بھیجا، اس نے پوری یہودی آبادی کا اس طرح خاتمہ کیا کہ ہزاروں کو تلوار سے، سیکڑوں کو دریا میں غرق کرکے، آگ میں جلاکر اور درندوں کے سامنے ڈال کر ہلاک کردیا۔(۳۵)

غیرالہامی مذاہب: ہندومت میں بدامنی، عدم رواداری اور انتہاپسندی کا تصور:

ہندومت کی مذہبی تعلیمات کی بنیاد ''وید'' اپنے مخالفین اور دیگر مذاہب کے پیروکاروں کو صفحۂ ہستی سے مٹادینے کی تعلیم دیتی ہیں۔ چنانچہ ہندوؤں کی مقدس کتاب ''یجروید'' کی تعلیم کا خلاصہ سوامی دیانند کے الفاظ میں یہ ہے: ☆ دھرم کے مخالفوں کو زندہ آگ میں جلا دو۔(۳۶) ☆ اپنے مخالفوں کو درندوں سے پھڑواڈالو۔(۳۷) ☆ جس طرح بلی چوہے کو تڑپا کر مارتی ہے، اس طرح ان کو تڑپا کر مارو۔ ان کی گردنیں کاٹ دو۔ مخالفوں کا جوڑ جوڑ اور بند بند کاٹ دیا جائے۔(۳۸)

ہندومت دیگر مذاہب سے کس قسم کا رویہ اپنانے کی تعلیم دیتا ہے اور ان کے دھرم میں دیگر مذاہب کے حوالے سے مذہبی انتہاپسندی کا کیا نظریہ ہے، ملاحظہ کیجیے! ☆ اے اندر دیوتا تو غیر وید کے دھرموں کو کب یوں کچل کر تباہ کرے گا، جیسے چھتری دار پھول کو پاؤں سے کچل کر تباہ کردیا جاتا ہے، اے اندر تو کب ہماری دعاؤں کو سنے گا۔(۳۹)

یہ رویہ تو ہندومت کا اپنے دھرم کے مخالفین، دیگر مذاہب کے پیرکاروں کے لیے ہے، جس میں مذہبی انتہاپسندی، ظلم وتشدد اور عدم برداشت انتہا پر ہے، تاہم ہندومت کا اپنے پیروکاروں اور دیگر نچلی ذات کے پیروؤں کے متعلق کیا نظریہ ہے، ملاحظہ فرمائیے! ''منوشاستر ہندوؤں کی مذہبی اور قانونی دستاویز ہے، جسے درجۂ استناد حاصل ہے، اس میں تحریر ہے: ''قادرِ مطلق نے دنیا کی بہبود کے لیے برہمن کو اپنے منہ سے، چھتری کو اپنے بازوؤں سے، دیش کو اپنی رانوں سے اور شودر کو اپنے پیروں سے پیدا کیا ہے۔(۴۰)

چنانچہ طے پایا کہ اگر کوئی شودر ''وید'' پڑھے تو اس کی زبان کاٹ ڈالی جائے گی، اگر وہ منتروں کو سن لے تو اس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالا جائے، اگر کوئی شودر منتروں کو زبانی یاد کرلے تو اسے مار مار کر اس کے ٹکڑے کردیے جائیں۔(۴۱)

زرتشت مذہب میں بدامنی، عدم رواداری اور انتہاپسندی کا تصور:

تاریخی روایات کے مطابق زرتشت مذہب کے بانی زرتشت نے جوانی کی عمر میں قدم رکھتے ہی اپنے آپ کو خدمتِ خلق کے لیے وقف کردیا تھا۔ مصیبت زدہ اور مفلوک الحال طبقے کی خدمت ہی ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ وہ زندگی بھر امن اور انسان دوستی کی تعلیم دیتے رہے، تاہم بعدازاں ان کے پیروکاروں نے جن کی اکثریت ایران (فارس) میں مقیم تھی، مذہبی انتہاپسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے زیرِ قبضہ عیسائیوں پر بدترین مظالم ڈھائے۔ تاریخی روایات کے مطابق خسرو پرویز نے اپنی پے درپے فتوحات کے باعث

اقتدار و حکمرانی کے نشے میں چُور ہو کر عیسائیت کے خلاف مقدس جنگ کا اعلان کیا۔ چھبیس ہزار یہودی اس کی فوج میں شامل ہو گئے، ۶۱۴ء میں ایران اور یہودیوں کے متحدہ لشکر نے یروشلم پر حملہ کر دیا اور نوے ہزار عیسائیوں کو تہ تیغ کر دیا۔ پورے شہر کو بڑی بے دردی سے لوٹا، یروشلم کے بہت سے کلیسا جن میں ''کلیسۃ القیامۃ'' بھی شامل تھا، ان کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا گیا اور وہ اصل صلیب جو عیسائی دنیا کی مقدس ترین متاع سمجھی جاتی ہے، ایرانی اسے بھی اٹھا کر اپنے ساتھ لے گئے۔ (۴۲) بعد ازاں زرتشت کے پیروکاروں کی جانب سے تاریخ کے مختلف ادوار میں عیسائیوں کو بے دریغ قتل کیا جاتا رہا۔ ان کے کلیساؤں کو تباہ و برباد کیا جاتا رہا۔ راہب مردوں اور راہبہ عورتوں کو خصوصیت کے ساتھ اذیت ناک سزائیں دی جاتیں۔ (۴۳) جو لوگ عیسائیت قبول کرتے، ان پر ظلم و ستم کی انتہا کر دی جاتی اور انہیں ایسی سنگین نوعیت کی سزائیں دی جاتیں، جن کے ذکر سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، کبھی کانوں اور آنکھوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال دیا جاتا تھا اور کبھی زبان کھینچ کر نکال لی جاتی تھی، انتہا پسندی کا یہ عالم تھا کہ ان بدنصیبوں کے ایک ایک عضو کو کاٹا جاتا تھا، بعض اوقات پیشانی سے ٹھوڑی تک چہرے کی کھال اتار لی جاتی تھی۔ ان کی آنکھوں اور باقی جسم میں سلاخیں چبھوئی جاتی تھیں۔ سب سے زیادہ دہشت ناک سزا یہ تھی کہ جلاّد سب سے پہلے ہاتھوں کی انگلیاں کاٹتا، اس کے بعد پاؤں کی، پھر کلائیوں تک ہاتھ کاٹ ڈالتا اور ٹخنوں تک پاؤں۔ اس کے بعد پھر کہنیوں تک بانہیں کاٹتا تھا اور گھٹنوں تک پنڈلیاں، پھر ناک اور کان کاٹتا اور سب سے آخر میں سر۔ (۴۴)

دورِ حاضر کی عالمگیر جنگیں، نسلی امتیاز، عدم رواداری، بدامنی اور عالمی جارحیت کا مظہر:

تین سو سال: دس کروڑ انسانوں کا قتل: اعداد و شمار کی روشنی میں ایک جائزہ:

سائنس کی ترقی اور صنعت و حرفت کے عروج کے گزشتہ تین سو سال اپنے دامن میں عالم انسانیت کے لیے بے پناہ مصائب، مشکلات اور تکالیف لے کر آئے۔ مغرب میں ''خدا'' کی جگہ انسان کی ''اُلوہیت'' کا اعلان انسان کے دکھ درد میں کمی کے بجائے بے پناہ دشواریاں لے کر آیا۔ خدا، مذہب اور روایات سے آزادی کے نام پر غلامی کی زنجیریں توڑ دینے والے مغرب نے ''آزادی، خوشحالی، مسرت اور خوشیوں'' کے نام پر دس کروڑ انسانوں کو قتل کر ڈالا۔

مغرب کے نامور مورخ و فلسفی ٹائن بی کے مطابق دنیا کی معلومہ تاریخ ساڑھے چھ ہزار سال کی تاریخ ہے، جس میں چھ ہزار سال مسلسل جنگوں کے ہیں، لیکن ان چھ ہزار سالوں کے کل مقتولین کی تعداد مغربی تہذیب کے تین سو سال کے مقتولین کی تعداد کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ (۴۵)

مہذّب اور روشن خیال درندوں کے ہاتھوں ۲/۱ ارب انسانوں کا قتل:

سترہویں صدی سے پہلے کے زمانے کو مغرب تاریک دور کہتا ہے، کیوں کہ وہ مذہبی زمانہ تھا۔ آر جے رومیل کے مطابق اس تاریک دور میں کل ۳۸ کروڑ لوگ قتل ہوئے، رومیل کے مطاق مغرب کے عروج اور روشن خیالی کی تین سو سالہ جنگوں میں مرنے والوں کی تعداد تقریباً دو (۲) ارب ہے، دو ارب انسانوں کو قتل کرنے والے مغرب کے مہذّب دہشت گرد بنیادی حقوق کے قائل تھے، بنیادی حقوق اور بہیمیت، سفاکی درندگی، متبادل اصطلاحات ہیں۔

رتھ لیگر سیورڈے کے مطابق بیسویں صدی میں ہونے والے قتل انیسویں صدی کے مقابلے میں پانچ گناہ زیادہ تھے۔ ۱۹۱۰ء سے ۱۹۷۵ء کے درمیان لڑی گئی ۲۰۲ جنگوں میں ۸ کروڑ لوگ مارے گئے۔ دو عظیم جنگوں میں ۶۰ کروڑ شہری قتل ہوئے، یہ تعداد کئی یورپی ملکوں کی کل تعداد سے زیادہ ہے۔ مائیکل مین کے مطابق دس کروڑ ریڈ انڈین، امریکیوں کے ہاتھوں ہلاک ہوئے۔ مائیکل مین کے مطابق براعظم امریکا کے اصل باشندوں کو ہلاک کرنے کے لیے روشن خیال مہذّب امریکہ کے پانچ صدور جیفرسن، واشنگٹن، جیکسن، روز ویلیٹ، لنکن نے جو وحشیانہ فرامین جاری کیے، وہ نہایت شرمناک تھے، جمہوریت اور انسانی حقوق کے نام پر بچوں، عورتوں، بوڑھوں کو بھی نہیں بخشا گیا۔ اس سفاکی میں

کلیسا، عدلیہ، اخبارات اور رائے عامہ ان جمہوری قصابوں کے ہمنوا تھے، بیسویں صدی کے نسلی تنازعات میں ۷ کروڑ لوگ مارے گئے، نو آبادیات میں امریکی، ہسپانوی، ہندی، برطانوی، استعماری طاقتوں نے جس سفا کی کا مظاہرہ کیا، دنیا کی پوری تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی، کیوں کہ جمہوریت اور سفا کی لازم وملزوم ہیں، یہ جمہوری، روشن خیال تاریخی دہشت گرد آج عالم اسلام کو دہشت گرد قرار دے رہے ہیں۔(۴۶)

قتل عام کے اعدادوشمار سے متعلق مائیکل مین کی کتاب "The Dark Side of Democracy"، رومیل کی کتاب Death by "Government" اور گلین ڈی پیج کی کتاب "Politics of Non King" میں پیش کردہ اعدادوشمار ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔

مغرب کی مختلف جنگوں میں بدامنی: اعدادوشمار کی روشنی میں:

(۱) انگلستان وفرانس کی جنگ، ۱۱۵/ سالہ اس جنگ میں لاکھوں افراد مارے گئے۔ ۱۳۳۸ء سے ۱۴۵۳ء تک اور جنگ ۱۶۱۸ء تا ۱۶۴۸ء

(۲) جرمنی، فرانس، آسٹریلیا، سوئیڈن، ۳۰ برس کی جنگ میں صرف جرمنی کے ایک کروڑ بیس لاکھ افراد مارے گئے، یورپ کی دوتہائی آبادی ہلاک ہوگئی، جو باقی بچی، اس کی حالت نہایت ابتر تھی۔

(۳) امریکی خانہ جنگی ۱۸۶۰ء تا ۱۸۶۵ء جاری رہی۔

اس میں ایک فریق شمالی ریاستیں اور دوسرا فریق جنوبی ریاستیں تھیں۔ جنگ کا سبب غلامی کا مسئلہ تھا، اس میں تین لاکھ افراد شمالی ریاستوں کے اور پانچ لاکھ جنوبی ریاستوں کے مارے گئے۔ ایک ارب پونڈ اخراجات ہوئے۔

(۴) ۱۷۰۰ء سے ۱۸۷۲ء تک یورپ میں ۱۲۰ جنگیں لڑی گئیں۔ جن میں صرف دس مرتبہ رسمی اعلان جنگ ہوا۔ ان جنگوں میں لاکھوں افراد مارے گئے۔

(۵) روس نے کمیونزم کے ابتدائی ایام میں ۱۹ لاکھ افراد کو سزائے موت دی، ۲۹ لاکھ لوگوں کو مختلف سزائیں دی گئیں، پچاس لاکھ افراد کو جلاوطن کیا گیا۔ مشرقی یورپ میں کمیونسٹوں کے ہاتھوں مرنے والوں کی تعداد جن میں لیبر کیمپوں میں مقید یورپی قیدی بھی شامل ہیں، ۲۶ لاکھ سے زیادہ ہے، تازہ ترین اعدادوشمار کے مطابق روس کے سرخ انقلاب سے لے کر ۱۹۸۰ء تک کل ۶۸ لاکھ افراد ہلاک کیے گئے۔

(۶) کوریا کی معمولی جنگی کشمکش میں صرف دو سال کے اندر ۵۰ لاکھ مرد، عورتیں اور بچے ہلاک ہوئے۔ اس وقت کوریا کی معاشی بدحالی کا یہ حال ہے کہ ۵۰ لاکھ لوگ صرف قحط اور بھوک سے ہلاک ہو چکے ہیں، اس جنگ میں ایک کروڑ افراد زخمی ہوئے۔

(۷) چین میں کمیونزم کے نفاذ کے لیے ڈیڑھ کروڑ زمینداروں کو پھانسی دی گئی اور لاکھوں افراد ہلاک کیے گئے۔

(۸) امریکہ کی جانب سے پابندی کے باعث پانچ لاکھ عراقی باشندے موت کے منہ میں چلے گئے۔

(۹) ویت نام کی جنگ میں ۷۰ لاکھ افراد مارے گئے۔

(۱۰) سوویت یونین کی بدترین جارحیت کے نتیجے میں افغانستان کی جنگ میں ۶۰ لاکھ افراد جاں بحق ہوئے۔

(۱۱) فلسطین پر اسرائیلی جارحیت کے نتیجے میں ۷ لاکھ افراد سے زیادہ جاں بحق ہو چکے ہیں۔

(۱۲) یوگوسلاویہ کو توڑنے کے لیے آئی ایم ایف اور مغرب نے سرب اور کروشیائی قومیتوں کا زہر بھر کر ۴۰ لاکھ انسانوں کو بے گھر اور دس لاکھ انسانوں کو قتل کرڈالا۔(۴۷)

تہذیب مغرب کے جنگی جرائم......تاریخی جائزہ:

تاریخی روایات کے مطابق جب سے بنی نوع انسان کی تاریخ نویسی کا آغاز ہوا، صرف ۲۶۸ سال ایسے گزرے ہیں جن میں کوئی جنگ نہیں ہوئی۔ ۱۷۰۰ء سے ۱۸۷۲ء تک یورپ میں ۱۲۰ جنگیں لڑی گئیں، جن میں صرف دس مرتبہ رسمی اعلان جنگ کیا گیا۔

جنگِ عظیم اول کی ہلاکت خیزی:

جنگِ عظیم اول/۱۴/۱۱اگست ۱۹۱۴ء، ۱۵۶۵ دنوں تک جاری رہی، اس جنگ میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد تقریباً ۹ ملین، شدید زخمی ہونے والوں کی تعداد ۲۲ ملین، اپاہج اور معذور ہوجانے والوں کی تعداد ۲۵ ملین بتائی جاتی ہے۔

یہ اعداد و شمار میدانِ جنگ کے ہیں، جب کہ شہروں میں ہلاک اور زخمی ہونے والوں کی تعداد میدان جنگ سے کہیں زیادہ ہے۔ اس جنگ پر ہونے والے اخراجات سے بلجیک، بلجیم، روس، امریکہ، جرمنی، کینیڈا، آسٹریلیا کے مکینوں کے لیے تمام آسائشوں اور لوازمات کے ساتھ ایک ایک مکان بنایا جاسکتا تھا۔

انسانیت کے خلاف مہذب دنیا کی اس ہلاکت خیز جنگ میں ساڑھے چھ کروڑ افراد دھکیلے گئے، ایک کروڑ فوجی میدان جنگ میں مارے گئے، ڈیڑھ کروڑ شہری قتل ہوئے، دو کروڑ سے زائد افراد دائمی معذوری کا شکار ہوئے، لاکھوں بچے یتیم ہوئے، پچاس لاکھ عورتیں بیوہ ہوئیں، لاکھوں عورتیں، بچے، فوجی اور شہری لاپتہ ہوئے۔ یورپ کا مشہور مورخ اے جی گرانٹ اس جنگ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے: ''خدا نہ کرے، دنیا میں پھر اس سے بڑی فوج وجود میں آئے، اس جنگ میں مغربی محاذ کی فوجوں نے خندقیں کھودیں، جن کا سلسلہ آئس لینڈ سے سوئٹزرلینڈ تک پھیلا ہوا تھا۔

اس جنگ کے متعلق اعداد و شمار پورے طور پر فراہم نہیں ہوئے۔ اندازہ لگانے میں بہت اختلاف ہے، مگر اس میں پانچ کروڑ افراد شریک تھے، جن میں سے غالباً اسی (۸۰) لاکھ کام میں آئے۔ زخمیوں کی تعداد ان سے چار گنا تھی، یعنی یورپ کے نوجوانوں کی ایک نسل ضائع ہوگئی۔ بعد ازاں اس جنگ کے خاتمے پر کیمیاوی ہتھیاروں اور جنگ کے اثرات سے انفلوئینزا شروع ہوا، جس کے اثر سے مزید ایک کروڑ افراد ہلاک ہوئے۔

جنگِ عظیم دوم کی ہلاکت خیزی:

دوسری عالمی جنگ میں ۳۵ ملین انسان ہلاک ہوئے۔ ۲۰ ملین ہاتھ پاؤں سے معذور ہوئے، ۱۷ ملین لیٹر خون زمین پر بہایا گیا، ۱۲ ملین حمل ساقط ہوئے، ۱۳ ہزار پرائمری سیکنڈری اسکول، ۶ ہزار یونیورسٹیاں، ۸ ہزار لیبارٹریاں ویران و برباد ہوئیں۔ نوے ہزار گولے فضا میں پھٹے۔ جب کہ دوسری جنگ عظیم کی ہلاکت خیزی اور انسانی جانوں کے ضیاع پر مبنی تحقیقی رپورٹ دنیا کے حیرت انگیز ریکارڈز پر مبنی شہرۂ آفاق ''گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈ'' کے حوالے سے ملاحظہ کیجیے:

''انسانی جانوں کے نقصان کے حوالے سے دوسری جنگ عظیم کو سب سے زیادہ خوفناک جنگ تصور کیا جاتا ہے، جس میں تمام ممالک کے ہلاک ہونے والے فوجیوں اور شہریوں کی تعداد ۵۴ء۸ ملین تھی، جس میں ۲۵ ملین سوویت یونین اور ۷ء۸ ملین چینی شہری شامل تھے۔ پولینڈ اس جنگ میں سب سے زیادہ متاثر ہوا، جس کی ۱۷ء۲ فی صد آبادی ہلاک ہوئی، یہ تعداد ۶۰۲۸۰۰۰ بنتی ہے۔

متمدن دنیا کی بیسویں صدی کی انسانیت کے خلاف ان بھیانک جنگوں میں انسانی خون کا سمندر بہایا گیا، انسان لنگڑے، لولے، اندھے اپاہج ہوئے، شہر کے شہر تباہی اور ویرانی کی علامت بن گئے، لاکھوں عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہوئے۔ لاکھوں انسان گھر سے بے گھر ہوئے۔ ان ہلاکت خیز انسان دشمن جنگوں کے فاتحوں کے سیاہ کارناموں پر بے شمار کتابیں لکھی گئیں۔

وقت کے دورانیے کے باعث پہلی اور دوسری عالمی جنگوں کی بڑی لڑائیوں میں فرق کرنا بہت مشکل ہے۔ یکم جولائی سے ۱۹ نومبر ۱۹۱۶ء تک فرانس کے علاقے سومی میں لڑی جانے والی ۱۴۲ روزہ طویل جنگ میں اندازاً ۱ء۲۲ ملین سے زائد افراد ہلاک ہوئے، جن میں سے ۳۹۸ء۶۷۱ برطانوی (پہلے دن ۵۷ء۴۷۰) اور چھ لاکھ سے زائد جرمن تھے۔ جرمن فوج کو ۲۲ جون سے ۸ جولائی ۱۹۴۴ء تک صرف ۱۷ دنوں میں مشرقی محاذ پر ساڑھے تین لاکھ سے زائد فوجیوں سے ہاتھ دھونا پڑا۔ ۳۱ جنوری ۱۹۴۳ء کو فیلڈ مارشل فریڈرک وون پاؤلس کے ہاتھ اسٹالن گراڈ میں جرمن فوج کی پسپائی پر ختم ہونے والی لڑائی میں گیارہ لاکھ نو ہزار افراد مارے گئے۔ چھ لاکھ پچاس ہزار سے زائد سوویت فوجی

زخمی ہوئے۔ اس لڑائی کے بعد پانچ لاکھ آبادی والے شہر میں صرف پندرہ سو شہری زندہ بچے۔ ۱۶ اپریل سے ۲ مئی ۱۹۴۵ء تک برلن، جرمنی پر سوویت فوج کی آخری چڑھائی کے دوران دونوں جانب سے ۵ء۳ ملین فوجیوں نے حصہ لیا، جب کہ اس میں ۵۲ ہزار گنیں اور مارٹرز ۷۷۵۰ ٹینک اور گیارہ ہزار طیارے استعمال ہوئے۔(۴۸)

جنگِ عظیم دوم کی خبر آخری وقت میں اخبارات میں اس طرح چھپی: ''روس نے امریکی کارخانوں سے یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ وہ ۴ ملین مصنوعی پاؤں بنادے، جو جنگ میں لنگڑے لولے ہوجانے والے فوجیوں کے لگائے جائیں گے''۔(۴۹)

جنگِ عظیم اول کے ہلاک شدگان......اعداد و شمار کی روشنی میں

جنگِ عظیم اول کے ہلاک شدگان کے اعداد شمار درج ذیل ہیں، جو اس وقت کے ذرائع ابلاغ میں جلی سرخیوں اور نمایاں طور پر شائع اور نشر ہوئے۔ تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

روس سترہ لاکھ، جرمنی سولہ لاکھ، فرانس تیرہ لاکھ ستر ہزار، اٹلی چار لاکھ ساٹھ ہزار، آسٹریا آٹھ لاکھ، برطانیہ سات لاکھ، ترکی دو لاکھ پچاس ہزار، بلجیم ایک لاکھ دو ہزار، بلغاریہ ایک لاکھ، رومانیہ ایک لاکھ، سرویا مانٹینگری ایک لاکھ، امریکہ پچاس ہزار...... میزان تہتر لاکھ اڑتیس ہزار (۵۰)

جنگِ عظیم دوم کے ہلاک شدگان......اعداد و شمار کی روشنی میں

جب کہ جنگِ عظیم دوم کے محتاط اعداد و شمار درج ذیل ہیں:

روس دو کروڑ دس لاکھ، جرمنی سولہ لاکھ، پولینڈ نو لاکھ، چین تیس لاکھ، جاپان ستائیس پچاس لاکھ، آسٹریا سات لاکھ، رومانیہ سات لاکھ، فن لینڈ ایک لاکھ تراسی ہزار، چیکوسلواکیہ ساٹھ ہزار، سلاویکیہ تین لاکھ پچاس ہزار، امریکہ دس لاکھ ستر ہزار، برطانیہ چودہ لاکھ تیس ہزار، فرانس دس لاکھ، اٹلی گیارہ لاکھ، یوگوسلاویہ سولہ لاکھ پچاسی ہزار، ہنگری چھ لاکھ، ہالینڈ دو لاکھ پچھتر ہزار، بیلجیم ساٹھ ہزار، فلپائن تیس ہزار...... میزان: چار کروڑ چونتیس لاکھ تینتالیس ہزار گیارہ۔ (۵۱)

مذکورہ اعداد و شمار میں غیر مسلم تہذیبوں کی اسلامی ممالک اور مسلم اقلیتوں کے خلاف جنگوں، عالمی جارحیت کے اعداد و شمار شامل نہیں ہیں، چنانچہ عراق، افغانستان، کشمیر، فلسطین، بوسنیا، چیچنیا، کوسووو پر عالمی جارحیت اور غیر مسلم تہذیبوں کے بدترین جنگی جرائم کے نتیجے میں لاکھوں بے گناہ مسلمان لقمۂ اجل بن چکے ہیں اور یہ عالمی جارحیت بدستور جاری ہے۔ ان تمام تر تاریخی شواہد اور حقائق کے باوجود مغرب کے ان متعصب مورخوں اور مستشرقین کے متعلق کیا کہا جاسکتا ہے جو بدستور اسلام کو دہشت گرد، غارت گر، دنیا کے لیے خطرہ اور تہذیبوں کے درمیان تصادم کا باعث قرار دیتے نہیں تھکتے۔ اس حوالے سے بطور خاص عہدِ نبویؐ کے غزوات وسرایا کے اعداد و شمار ملاحظہ فرمائیں۔

مغربی دنیا کی جنگی تاریخ کا انسانیت کے محسن اعظم ﷺ کے غزوات وفتوحات سے مقابلہ کیا ہی نہیں جاسکتا کہ مغرب کی جنگیں انسانیت کے خلاف طویل تاریخی جرائم اور بہیمانہ مظالم کی بھیانک داستان ہیں جو سراسر انسانیت کی تذلیل اور توہین سے عبارت ہے۔

عہدِ نبویؐ، خلافتِ راشدہ اور مسلم حکمرانی کے مختلف ادوار میں رواداری، امن وسلامتی اور احترام انسانیت کا تصور:

تاریخ سے یہ بات ثابت ہے کہ خدا دشمن تہذیبوں، فلسفوں، قوموں اور معاشروں کے عروج سے پہلے دنیا بہت بہتر، بہت عمدہ اور بہت خوش حال تھی۔ مغرب کے نیچرل ازم، ماڈرن ازم، لبرل ازم، کمیونزم، سوشل ازم، نیشنل ازم سے پہلے اس زمین پر مذہب اور اہل مذہب کی حکمرانی تھی اور اپنی تمام تر خامیوں کے باوجود وہ حکمرانی بہت بہتر بلکہ نہایت عالی شان تھی، اس مذہبی حکمرانی کی چند جھلکیاں اسلامی تاریخ سے دیکھیے تو معلوم ہوتا ہے کہ خاتم النبیین ﷺ کے وصال تک مسلمان تیس لاکھ مربع کلومیٹر رقبے پر غالب آچکے تھے، مگر اتنی عظیم الشان فتوحات میں مسلمانوں کے صرف ڈیڑھ سو افراد شہید ہوئے اور مزاحمت کرنے والے گروہوں میں سے صرف چند سو افراد ہلاک ہوئے۔ کیا امن، صلح اور محبت کی ایسی کوئی

مثال مغرب کے یہاں دستیاب ہے؟

حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت امیر معاویہؓ سے لے کر خلافتِ عثمانیہ تک اسلامی ریاست دنیا کے طول وعرض میں آٹھ سو برس تک پھیلتی رہی، مگراس آٹھ سو برس کی تاریخ میں مسلم اور غیر مسلم مقتولین وشہداء کی کل تعداد پانچ لاکھ سے زیادہ نہیں رہی۔ محمد بن قاسم نے ہندو پاک کا بہت بڑا علاقہ فتح کیا، جو کئی ہزار مربع میل پر مشتمل تھا، لیکن مقتولین کی تعداد صرف چند سوافراد تک محدود رہی، مگر صلیبی جنگوں اور چنگیزی حملوں میں دنیا نے لاکھوں انسانوں کو خون میں نہاتے ہوئے دیکھا۔ مغربی تہذیب دراصل صلیبی اور چنگیزی تہذیب ہے، جو کہ دنیا کو انسانیت کا درس تو دیتی ہے، مگر خود انسانیت سے محروم ہے، تاتاری حملے میں مسلمانوں کے تاریخی شہر بغداد پر حملے میں ۳۵ لاکھ افراد کو شہید کیا گیا، مگر عالم اسلام کے ہاتھوں آج تک اتنی بڑی تعداد میں لوگوں کا کبھی اور کہیں قتل عام نہیں ہوا۔ (۵۲)

جبکہ عہدِ نبویؐ کے غزوات وفتوحات انسانیت کی تکریم، رواداری اور انسانی حقوق کی علمبرداری کی تاریخی جدوجہد کی مثالی داستان ہے، جو انسانی تاریخ کے ہر عہد پر تاریخی اور عملی فوقیت رکھتی ہے۔

ذیل میں پیغمبر اسلامؐ کے خلاف مغرب کی متعصب دنیا کے ناروا الزام کی تردید کے لیے بطور دلیل عہدِ نبویؐ کی جنگوں میں ہلاک ہونے والوں اور زخمیوں کے اعداد وشمار کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے، جس سے انسانیت کے محسن اعظم ﷺ کی تاریخی اور ابدی عظمت کا اظہار اور مغرب کی متعصب دنیا کے بے بنیاد الزام کا ازالہ ہوگا۔

عہدِ رسالتؐ کی جنگی تاریخ میں مقتولین کی تعداد مہینے میں دو بھی نہ تھی، دس سال میں ایک سو بیس مہینے ہوتے ہیں، تو ایک سو بیس مہینوں میں ۲۴۰ دوسو چالیس افراد بھی ان جنگوں میں نہیں مرے۔ دشمن کے مقتولین کی تعداد اس سے کم تھی، مسلمان شہداء کی تعداد دشمن کے مقتولین سے بھی کم تھی، بہر حال بحیثیت مجموعی میدان جنگ میں قتل ہونے والے دشمنوں کی تعداد مہینے میں دو سے بھی کم ہے۔ (۵۳)

چنانچہ معروف محقق اور سیرت نگار ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ لکھتے ہیں: ''اس تقریباً ہندوستان و پاکستان کے برابر وسیع علاقے میں یقیناً ملینوں کی آبادی تھی، جس میں دشمن کے بمشکل ۱۵۰ ڈیڑھ سو افراد قتل ہوئے، مسلمان فوج کا بمشکل ان دس سالوں میں ماہانہ ایک شہید ہوا، انسانی خون کی یہ بے نظیر عزت وتکریم تاریخ عالم میں بلا خوفِ تردید بے نظیر ہے۔'' (۵۴)

آپؐ کی بعثت سے گویا عالم نو طلوع ہوا۔ انسانی تہذیب اور تاریخ عالم نے نئے سفر کا آغاز کیا، مادرِ گیتی نے (رواداری، امن وسلامتی تحمل و برداشت، احترام انسانیت پر مبنی) ایک انقلاب کو جنم دیا، صدیوں سے دیکھے جانے والے خواب کو تعبیر مل گئی، اس کی تاب رو سے شش جہت کائنات کو روشنی ملی۔ دنیا کو شرف انسانی کا حقیقی اندازہ ہوا، سچی بات یہ ہے کہ کائنات کا اعتبار ہو کہ انسانیت کا وقار، یہ سب کچھ صاحبِ لولاکؐ کے دم قدم سے ہے۔ (۵۵)

بقول اقبال:

ہو نہ یہ پھول، تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو — چمن دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو، خم بھی نہ ہو — بزم توحید بھی دنیا میں نہ ہو، تم بھی نہ ہو
خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے — نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے (۵۶)

ورنہ آپؐ کی بعثت سے پہلے یہی معمورۂ ہستی جہان خراب کا منظر پیش کر رہا تھا، یونان اپنی عظیم تہذیب کے کھنڈر پر یکہ وتنہا کھڑا آنسو بہا رہا تھا اور اہلِ یونان اس کھنڈر کے ملبے تلے دبے ہوئے کراہ رہے تھے، یونانی حکماء نے اپنے فلسفہ کے زور پر ہر مسئلہ حل کرنا چاہا، اس دور کا یونان فلسفیوں سے بھرا پڑا تھا، یہ ارشمیدس، یہ اقلیدس، یہ بطلیموس، یہ سقراط، یہ بقراط، یہ ارسطو یہ افلاطون جس طرف نگاہ اٹھتی، فلسفیوں کی قطار بندھی نظر آتی، مگر بات پھر وہی ہے جو حکیم الامت اقبال نے کہی ہے:

اپنی حکمت کے خم وپیچ میں الجھا ہوا — آج تک فیصلۂ نفع وضرر کر نہ سکا

یونان کی چمکتی دمکتی اکیڈمیوں نے اندھیرا اور گہرا کر دیا، یہ دنیا منور ہوئی تو غارِ حرا کے گوشے سے طلوع ہونے والے آفتابِ نبوتؐ سے۔

رومۃ الکبریٰ کے قیصر اور فارس کے کسریٰ بھی انسانیت کی پیٹھ پر بوجھ ہی رہے، اگر کسی نے آ کر انسان کو سبکدوش کیا تو آغوشِ آمنہ کے پروردہ نے کیا، یہ فغفور و خاقان انسانیت کے لیے تاوان ثابت ہوئے، دنیا کو امان ملی تو پیغمبرؐ کے گوشۂ دامان میں۔ شاہی قبا و عبا انسانی آبادی کے لیے وبا نکلی، وہ کالی کملی تھی جو گرفتاران بلا کے لیے نسخۂ شفا بنی، بادشاہوں کی وسیع سلطنتیں اپنے باشندوں کے لیے سخت اور تنگ شکنجے تھے جب کہ یتیم مکہ کی چھوٹی سی کوٹھڑی دنیا بھر کے مظلوموں کے لیے اپنے اندر افلاک کی وسعتیں رکھتی تھی، حبش سے آنے والے، روم سے آنے والے، فارس سے آنے والے اور نجد سے آنے والے آتے گئے اور سماتے گئے، ارقم کے چھوٹے سے گھر میں بحر و بر سمٹ گئے۔(۵۷)

اسی طرح حضور اکرم ﷺ نے اپنی رحمۃ للعالمینی کو بھی زبان، نسل اور وطن کے امتیاز سے پاک رکھا، آپؐ کی ایک ہی مجلس جو مسجدِ نبویؐ کے کچے دالان میں برپا ہوتی تھی، وہ ''اقوام متحدہ'' کا خوبصورت عکس پیش کرتی تھی، مکے کے مہاجر، مدینے کے انصار، فارس کے سلمانؓ، حبش کے بلالؓ، روم کے صہیبؓ، روٴساء سے عثمان غنیؓ، غرباء میں عبداللہ ذوالبجادینؓ، اشراف میں عمرؓ و علیؓ اور خانوادۂ غلاماں میں سے انسؓ ایک ساتھ اسی طرح بیٹھے نظر آتے تھے کہ دیکھنے والا انہیں اگرچہ مختلف رنگوں میں دیکھتا مگر ان سب پر صبغۃ اللہ (اللہ کا رنگ) غالب ہوتا، وطنیت ان کی مختلف تھی، مگر مقصدیت میں کوئی اختلاف نہ تھا، ان کی زبان الگ الگ تھی، مگر عقیدہ و ایمان ایک تھا، ان کی نسل جداگانہ تھی مگر ''اصل'' ہمیشہ ایک رہی، یعنی دینِ اسلام'' یہ آپؐ کی رحمۃ للعالمینی کا اعجاز تھا کہ حضرت سلمانؓ کو اہلِ بیت میں شمولیت کا شرف حاصل ہوا، حضرت بلالؓ مسجدِ نبویؐ کے موذن بنے اور حضرت صہیبؓ مسجدِ نبویؐ کے امام قرار پائے۔

یہ عزت، یہ توقیر، یہ منصب، یہ اعزاز حرماں نصیبوں، خاک نشینوں، سوختہ بختوں، حبشیوں اور غلام زادوں کو کس کے طفیل نصیب ہوا؟ اسی درِ یتیم ﷺ کے صدقے، جس کی حکمت نے ہر یتیم کو ''درِ یتیم'' بنا دیا اور: غلاموں کو زمانے بھر کا مولا کر دیا۔(۵۸)

تعلیماتِ نبویؐ میں امن و سلامتی اور تحمل و رواداری کی اہمیت (مختصر جائزہ)

صبر و برداشت اور تحمل و رواداری اسوۂ نبویؐ کا خصوصی امتیاز ہے، عفو و درگزر اور صبر و برداشت کے مثالی پیکر، پیغمبر رحمت ﷺ کے متعلق قرآنِ کریم نے شہادت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ'' (۵۹) تو اللہ کی رحمت کے سبب تم ان کے لیے نرم دل ہوئے اور اگر تم مزاج کے اکھڑ اور دل کے سخت ہوتے تو یہ لوگ تمہارے پاس سے تتر بتر ہو گئے ہوتے۔(۶۰)

چنانچہ رحمتِ عالم، حضرت محمد ﷺ کی سیرتِ طیبہ میں رافت و رحمت، صبر و برداشت اور تحمل و رواداری کا وصف سب سے نمایاں طور پر ودیعت کیا گیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اسے خاص اپنی رحمت کا نتیجہ قرار دیا۔ علاوہ ازیں قرآنِ کریم میں متعدد مقامات پر خود رسولِ اکرمؐ جو پیکرِ عفو و درگزر اور صبر و برداشت کا عملی نمونہ تھے، آپؐ کو صبر و برداشت کا حکم ہوا۔(۶۱)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرمؐ کے متعلق دربارِ خداوندی سے ارشاد فرمایا گیا: ''انت عبدی ورسولی، سمّیتک المتوکّل، لیس بفظٍ ولا غلیظ ولا سخاب الاسواق، ولا یدمع السّیئة بالسّیئة ولکن یعفوا ویصفح، ولن یقبضہ اللہ حتی یقیم بہ الملّة العوجاء بان یقول لا الٰہ الّا اللہ فیفتح بہا اعیناً و اذناً صمّاً و قلوباً غلفاً۔'' (۶۲) تو میرا بندہ اور میرا رسول ہے، میں نے تیرا نام متوکل رکھا ہے، رسول اللہؐ نہ سخت کلام ہیں، نہ سخت طبیعت۔ نہ بازار میں شور کرنے والے ہیں اور نہ بُرائی کا بدلہ بُرائی سے دینے والے ہیں، وہ معاف کرتے اور درگزر کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز اس دنیا سے نہیں اٹھائے گا، جب تک کہ وہ ٹیڑھی قوم کو سیدھا نہیں کر دے گا کہ وہ دل سے ''لا الٰہ الّا اللہ'' کہنے لگیں، تا کہ ان کی بند آنکھیں، بہرے کان، اور پردہ پڑے ہوئے دل کھل جائیں۔

مشرکینِ مکہ، منافقین اور یہودِ مدینہ نے آپؐ کو جیسا کچھ ستایا اور تکالیف پہنچائیں، ان کا اندازہ آپؐ کے حسب ذیل بیان سے کیا

جا سکتا ہے: "لقد اوذیت فی اللہ و ما یوذی احد"۔ (۶۳) مجھے اللہ کے راستے میں ایسا ستایا گیا ہے کہ (انبیاء میں) کوئی نہیں ستایا گیا۔

ہند بن ابی ہالہؓ جو پیغمبرِ رحمتؐ کے آغوش پروردہ تھے، اپنی معرفت اور طویل مشاہدے کی بنیاد پر آپؐ کی شخصیت کا تعارف ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں: "آپؐ نرم خو تھے، سخت مزاج نہ تھے...... ذاتی معاملات میں آپؐ کو نہ کبھی غصہ آیا اور نہ آپؐ نے کسی سے انتقام لیا۔" (۶۴) رسولِ اکرمؐ کا ارشادِ گرامی ہے: "من کظم غیظاً و ھو یستیطع ان ینفذہ دعاہ اللہ یوم القیامۃ علیٰ رئوس الخلائق حتیٰ یخیرہ فی ایّ الحور شاء۔" (۶۵) جو شخص قدرت کے باوجود غصّے کو ضبط کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام لوگوں کے سامنے بلا کر اسے انعام سے نوازے گا۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے رحمتِ عالم، محسنِ انسانیت ﷺ کے صبر و برداشت، حلم و بُردباری اور تحمل و رواداری کے متعلق کیا خوب لکھا ہے: "مظلومی میں صبر، مقابلے میں عزم، معاملے میں راست بازی اور طاقت و اختیار میں عفو و درگزر، برداشت و رواداری، تاریخِ انسانیت کے وہ نوادر ہیں جو کسی ایک زندگی کے اندر اس طرح کبھی جمع نہیں ہوئے۔ (۶۶)

حقیقت یہ ہے کہ دورِ حاضر میں بدامنی، عدم رواداری اور انتہا پسندی کے رجحان کے خاتمے کے لیے اسوۂ نبویؐ کے اس پہلو پر عمل ہی درحقیقت امن و سلامتی، فرقہ واریت کے خاتمے اور پُرامن معاشرے کے قیام کی یقینی ضمانت ہے۔

اسلامی فلسفۂ حیات میں بدامنی، عدم رواداری، دہشت گردی اور قتل و غارت گری کی مذمت:

یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ اسلام سلامتی اور ایمان امن سے عبارت ہے، اس کی تعلیمات امن و سلامتی، پُرامن بقائے باہم اور انسان دوستی کی یقینی ضمانت ہیں۔ اسلام امن و سلامتی کا سب سے بڑا علمبردار ہے، وہ معاشرے میں بدامنی، دہشت گردی اور قتل و غارت گری کا شدید مخالف ہے۔ اس نے قیامت تک انسانیت کو ایک اصول عطا کیا، جو اس کی امن پسندی کا یقینی ثبوت ہے۔ "عن عبداللہ بن عمر ؓ انّ رسول اللہ ﷺ قال: من حمل علینا السّلاح فلیس منّا۔" (۶۷) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: جس نے ہم پر (اہلِ ایمان پر) اسلحہ اٹھایا، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

اسلام نے بلاتفریقِ مذہب و ملّت ایک بے گناہ انسان کے قتل کو پوری انسانیت کے قتل کے مترادف قرار دیا ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے: "مِنۡ اَجۡلِ ذٰلِکَ کَتَبۡنَا عَلٰی بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اَنَّہٗ مَنۡ قَتَلَ نَفۡسًۢا بِغَیۡرِ نَفۡسٍ اَوۡ فَسَادٍ فِی الۡاَرۡضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیۡعًا"۔ (۶۸) اور اسی بناء پر ہم نے بنی اسرائیل پر یہ حکم نازل کیا کہ جو شخص کسی کو (ناحق) قتل کرے گا، (یعنی) بغیر اس کے کہ جان کا بدلہ لیا جائے، یا ملک میں فساد پھیلانے کی سزا دی جائے، اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کیا۔ رسولِ اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: "عن انس بن مالک ؓ قال، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "اکبر الکبائر الاشراک باللہ و قتل النفس و عقوق الوالدین و قول الزّور"۔ (۶۹)

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا: بڑے گناہوں میں سے سب سے بڑا گناہ اللہ کے ساتھ (غیر اللہ کو) شریک کرنا ہے، پھر (بے گناہ) انسان کا قتل، پھر والدین کی نافرمانی، پھر جھوٹ بولنا۔

اسلام بدامنی، دہشت گردی اور قتل و غارت گری کے ذریعے انتہا پسندانہ رویے کا ارتکاب کرنے والوں اور فساد فی الارض کے مرتکب انسانیت اور مذہب دشمن افراد کے لیے شدید ترین سزائیں تجویز کرتا ہے، ارشادِ ربّانی ہے: اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیۡنَ . . . عَذَاب

عَظِیم۔(۷۰) جو لوگ خدا اور اس کے رسولؐ سے لڑائی کریں، اور ملک میں فساد کرنے کو دوڑتے پھریں، ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کردیے جائیں، یا سولی چڑھا دیے جائیں، یا ان کے ایک ایک طرف کے ہاتھ اور ایک ایک طرف کے پاؤں کاٹ دیے جائیں، یا ملک سے نکال دیے جائیں، یہ تو دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی (مرحوم) رسولِ اکرمؐ کے اسوۂ حسنہ کے متعلق کیا خوب لکھتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے رسولِ اکرمؐ کو جس اعلیٰ درجے کے اخلاق اور اعلیٰ درجے کے طبعی و خُلقی موزونیت سے نوازا تھا، وہ آنے والی صدیوں اور موجودہ و آئندہ نسلوں کے لیے معراجِ کمال ہے اور اسے ہم اعتدالِ فطرت (اعتدال پسندی، میانہ روی) سلامتِ ذوق، لطافتِ شعور، توازن و جامعیت اور افراط و تفریط سے پرہیز سے تعبیر کرسکتے ہیں۔'' حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہؐ کو جب دو کاموں میں کسی ایک کو ترجیح دینی ہوتی تو آپؐ ہمیشہ اسے اختیار فرماتے جو زیادہ سہل ہوتا، بشرط یہ کہ اس میں گناہ کا شائبہ نہ ہو۔ اگر اس میں گناہ ہوتا تو آپؐ اس سے سب سے زیادہ دور ہوتے''۔(۷۱)

اسلام اعتدال پسندی کا دوسرا نام ہے، وہ آسانی، لوگوں کو بشارت دینے اور منافرت سے روکنے کی تعلیم دیتا ہے، اعتدال پسندی اور میانہ روی اسلامی تعلیمات کی روح ہے۔ قرآنِ کریم نے امتِ محمدیہؐ کے متعلق ''وَ کَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّةً وَّسَطًا۔'' فرما کر اس کی وضاحت کی۔(۷۲) اور رسولِ اکرمؐ نے ''خیرُ الامور اوسطھا'' فرما کر امتِ مسلمہ کو اعتدال پسندی، میانہ روی اور اعتدال کی راہ اپنانے کی ہدایت فرمائی۔ قرآنِ کریم کی متعدد آیاتِ مبارکہ میں اعتدال پسندی اور میانہ روی کی تعلیم دیتے ہوئے اسے امتِ مسلمہ کا خاص وصف قرار دیا گیا ہے۔(۷۳)

رسولِ اکرمؐ کا ارشادِ گرامی ہے: ''عن ابی ہریرةؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: انّ الدّین یسرٌ، ولن یشادّ الدّین احد الاّ غلبه، فسدّدوا وقاربوا وابشروا، واستعینوا بالغدوة والرّوحة وشیئی من الدّلجة۔'' (۷۴) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: دین آسان ہے اور جو بھی دین سے زور آزمائی کرے گا، وہ اس پر غالب آئے گا۔ اس لیے میانہ روی (اعتدال پسندی) اختیار کرو اور اعتدال کے ساتھ چلو، قریب کے پہلوؤں کی رعایت کرو اور انبساط رکھو، اور صبح و شام اور کسی قدر تاریکیٔ شب کی عبادت سے تقویت حاصل کرو۔

امن وسلامتی کے فروغ اور قیامِ امن کے لیے تحمل و برداشت اور حِلم و بُردباری کی تعلیمات عام کرنے کی ضرورت واہمیت:

تحمل و برداشت اور حِلم و بُردباری اسلامی تعلیمات کا امتیازی پہلو ہے۔ قرآن وسنّت میں اس حوالے سے جابجا ارشادات ملتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ، ابنِ عمرؓ، حضرت جاریہ بن قدامہؓ، حضرت ابوالدرداءؓ وغیرہ متعدد صحابۂ کرامؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہؐ سے عرض کیا، یارسول اللہؐ مجھے کوئی نصیحت کیجیے، ارشاد ہوا، غصّہ نہ کیا کرو، برداشت سے کام لو، انہیں یہ بات معمولی معلوم ہوئی تو دوبارہ، پھر سہ بارہ سوال کیا تو آپؐ نے ہر دفعہ فرمایا کہ غصّہ نہ کیا کرو۔(۷۵) قرآنِ کریم میں رسولِ اکرمؐ کے حوالے سے فرمایا گیا: ''فَاصْبِرْ کَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ۔'' (۷۶) اور برداشت کیجیے، جس طرح ہمت اور عزم والے پیغمبروں نے برداشت کیا۔ ایک اور موقع پر فرمایا گیا: ''وَلَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِکَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔'' (۷۷) اور البتہ جس نے برداشت کیا اور معاف کیا، تو وہ بے شک ہمت کے کام ہیں۔(۷۸)

''حلم و بُرد باری'' کا مفہوم یہ ہے کہ انتقام کی قدرت کے باوجود کسی ناگوار یا اشتعال انگیز بات کو برداشت کرلیا جائے اور زیادتی کرنے والے کو کوئی سزا نہ دی جائے، یہ صفتِ خداوندی ہے، جو قدرت کے باوجود انسانوں کی بُرائیوں کو نظر انداز کرتا ہے، اہلِ ایمان سے بھی اس کا تقاضا کیا گیا ہے کہ وہ بھی حلم و بُرد باری کو اپنا ئیں۔ رسولِ اکرمؐ کا ارشادِ گرامی ہے: ''من کظمَ غیظاً وھو یستطیع ان یَنفذہ دعاہ اللہ یوم القیامۃ علیٰ رئوس الخلائق حتیٰ یخیرہ فی ایّ الحُور شاء۔'' (۷۹)

دورِ حاضر میں بدامنی، عدم رواداری اور مذہبی انتہا پسندی کے خاتمے کے لیے ان تعلیمات کو عام کرنے کی ضرورت ہے، تحمل و برداشت اور حلم و بُرد باری اسوۂ نبویؐ کا امتیازی پہلو ہے اور اسوۂ نبویؐ ہمارے لیے بہترین نمونۂ عمل ہے، اس کی پیروی ہی ہمارے تمام مسائل کا حل اور کامیابی کی ضمانت ہے۔

اسلام زندگی کے ہر موڑ پر عفوو درگزر کی تعلیم اور امن وسلامتی کا پیغام دیتا ہے، انتہا پسندی کا کوئی رویہ بھی اسلام میں قابلِ قبول نہیں، عفوو درگزر، تحمل و برداشت اور رواداری کی بار بار تعلیم دے کر اسلام نے یہ ثابت کیا کہ وہ امن وسلامتی کا دین اور احترامِ انسانیت کا علمبردار ہے۔

برطانیہ کی مشہور مصنفہ کارین آرم اسٹرانگ (KAREN ARMSTRONG) سیرتِ طیبہ پر اپنی کتاب: "Muhammad A Western Attempt to Understanding Islam"

میں اس تاریخی اور ناقابلِ تردید حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتی ہے: "Muhnmad ... Founded a religion and a tradition: that was not based cultural on the sword despite the western myth and whose name Islam, signifies peace and reconciliation" (P-266)

''محمد ﷺ ایک ایسے مذہب اور تہذیب کے بانی تھے، جس کی بنیاد تلوار (جبر وتشدد) پر نہ تھی۔ مغربی پروپیگنڈے اور افسانے کے باوجود اسلام کا نام امن (رواداری) اور صلح کا مفہوم رکھنے والا ہے۔''

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے دو جگہ اپنے آپ کو ''غافر'' بخشنے والا، پانچ دفعہ ''غفّار'' بڑی بخشائش کرنے والا، اور اتنی ہی دفعہ ''عفوّ'' معاف کرنے والا اور ستر سے زیادہ آیات میں ''غفور'' بخشنے والا کہا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے عفوو درگزر کا سمندر کس زور وشور سے جوش مار رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام صفات کی تجلّی کا پرتو اپنے بندوں میں پیدا کرنے کی دعوت دی ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے: ''اَو تعفُوا عن سُوءٍ فَاِنَّ اللہَ کَانَ عَفُوًّا قَدِیرًا۔'' (۸۰) یا کسی برائی کو معاف کرو تو بے شک، اللہ معاف کرنے والا قدرت والا ہے۔

ایک اور موقع پر فرمایا گیا: ''وَ جَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثْلُھَا فَمَنْ عَفَا وَ اَصْلَحَ فَاَجْرُہٗ عَلَی اللہِ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ۔'' (۸۱)
(۸۱) (الشوریٰ/۴۰)

اور بُرائی کا بدلہ ویسے ہی بُرائی ہے، لیکن جو شخص معاف کردے اور صلح کرلے تو اس کا اجر اللہ کے ذمّے ہے اور وہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

قرآنِ کریم میں اہلِ ایمان کا خاص وصف یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ صبر و برداشت سے کام لیتے ہوئے لوگوں سے درگزر کرتے ہیں، ''وَ الْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَ الْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ''۔ (۸۲) اور وہ غصّے کو پی جاتے ہیں۔ (باوجود تمام تر غضب اور قوت و اختیار کے، برداشت سے کام لیتے ہیں) اور لوگوں سے عفوو درگزر سے کام لیتے ہیں۔

علامہ شبلی نعمانیؒ کیا خوب لکھتے ہیں: انسان کے ذخیرۂ اخلاق میں سب سے زیادہ کم یاب، نادرالوجود شے دشمنوں پر رحم اور ان سے عفو ودرگزر ہے، لیکن حاملِ وحی نبوتؐ کی ذاتِ اقدس میں یہ جنس فراواں تھی، آپؐ نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ (۸۳)

رواداری، امن وسلامتی اور پیغمبرِ رحمتﷺ کا اسوۂ حسنہ:

رسول اکرمؐ کی سیرتِ طیّبہ امتِ مسلمہ کے لیے مثالی اسوۂ حسنہ اور ابدی نمونۂ عمل ہے، آپؐ کی پیروی ہی ہمارے تمام مسائل کا حل اور فلاح ونجات کی کلید ہے، اس میں ہر دور کے مسائل کا حل موجود ہے، آپؐ کی اتباع کر کے ہی ہم ہر دور اور ہر عہد کے مسائل کا حل پاسکتے ہیں۔ ''عدم رواداری اور مذہبی انتہاپسندی'' دورِ حاضر کا وہ حساس اور اہم موضوع ہے جس کی اہمیت کسی بھی طرح کم نہیں، اس اہم اور حساس مسئلے کے حل کے لیے ہمیں رسولِ اکرمؐ کی حیاتِ طیّبہ میں بے شمار مثالیں ملتی ہیں، آپؐ نے اپنے اسوۂ حسنہ کے ذریعے ہمیں پُرامن بقائے باہم، مذہبی رواداری کے اعلیٰ ترین اصول عطا فرمائے، رسول اکرمؐ کی سیرتِ مقدسہ اور حیاتِ طیّبہ میں غیر مسلموں سے حسنِ سلوک اور تعلقات کے حوالے سے بے شمار نظائر اور مثالیں ملتی ہیں، جن سے تحمل و برداشت، عفو و درگزر، رواداری کے قیام اور مذہبی انتہاپسندی کے خاتمے میں بھرپور مدد مل سکتی ہے۔ تاہم ان میں میثاقِ مدینہ، صلح حدیبیہ، فتح مکہ اور معاہدۂ نجران کو کلیدی اور بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ چنانچہ ذیل میں مذہبی انتہاپسندی کے خاتمے اور رواداری کے فروغ کے حوالے سے مختصر جائزہ پیش خدمت ہے۔

''میثاقِ مدینہ''...... مذہبی رواداری، احترامِ انسانیت اور امن وسلامتی کا تاریخی منشور:

ہجرتِ مدینہ کے بعد پیغمبرِ رحمتؐ نے یہودِ مدینہ کے ساتھ وہ تاریخ ساز معاہدہ کیا جو رواداری، مذہبی اعتدال پسندی اور فراخ دلی کی ایک روشن مثال ہے، جس پر دنیا فخر کرسکتی ہے، موجودہ دور کی اقوام متحدہ بھی فریقین میں رواداری پر مبنی ایسا معاہدہ نہیں کرا سکتی۔ یہ تاریخی معاہدہ محسنِ انسانیتؐ کی دینی اور سیاسی بصیرت، اعتدال پسندی اور مذہبی رواداری کا شاہ کار ہے، جس سے اسلامی سوسائٹی کے مقاصد پُرامن بقائے باہم، رواداری، قیام امن اور اعلیٰ انسانی اقدار کے تحفظ میں بھرپور مدد ملی۔ ایک مثالی اسلامی فلاحی ریاست کی تاسیس جہاں ہر فرد کو بلاتفریق مذہب وملّت مذہبی آزادی حاصل ہو، عدل کا بول بالا ہو، ہر فرد کو مذہبی اور معاشرتی حقوق حاصل ہوں۔ یہ سرکار دوعالمﷺ کا وہ تاریخ ساز کارنامہ ہے جس کی مثال تاریخ عالم پیش نہیں کرسکتی۔

اس تاریخی معاہدے کے نتیجے میں مدینے سے بدامنی کا خاتمہ ہوا۔ امن کا قیام عمل میں آیا۔ تمام مذاہب کے پیروکاروں کو عقیدہ و مذہب کی آزادی حاصل ہوئی۔ مذہبی آزادی اور رواداری کا اصول وضع ہوا۔ (۸۴) اس معاہدے کی ہر دفعہ معاہداتی دنیا میں اپنی ایک انفرادیت رکھتی ہے، نیز یہ بھی وضاحت ہوتی ہے کہ اسلامی مملکت میں دوسری مذہبی اور سیاسی اقلیتوں کا کیا درجہ و مقام ہے۔ ڈاکٹر محمد حمیداللہ (مرحوم) نے میثاق مدینہ کے متن، اہمیت اور اثرات پر بہت عمدہ اور تحقیقی بحث کی ہے، اس حوالے سے متعدد مغربی مصنفین کے مصادر اور مقالہ نگاروں کے حوالے بھی ذکر کیے ہیں۔ (۸۵) ''میثاق مدینہ'' میں واضح اور دوٹوک الفاظ میں اس امر کی صراحت کردی گئی کہ غیر مسلم یہودیوں کو ان کے دین کی پوری آزادی ہوگی، چنانچہ ایک دفعہ کے الفاظ ہیں: ''**للمسلمین دینھم وللیھود دینھم**'' یعنی مسلمانوں کے لیے مسلمانوں کا دین اور یہودیوں کے لیے یہودیوں کا دین ہے۔ یعنی مدینے میں جتنے بھی باشندے آباد تھے، ان کو دینی، عدالتی اور قانونی آزادی کا اطمینان دلایا گیا تھا۔ (۸۶)

اس معاہدے کی بدولت مذہبی آزادی اور رواداری کا اصول وضع ہوا، نیز جن بنیادوں پر غیر مسلموں سے اتحاد وتعاون ہوسکتا ہے، ان کی نشان دہی ہوئی۔ (۸۷)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ ’’میثاق مدینہ‘‘ دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور ہے۔(۸۸) چنانچہ موصوف نے اس تاریخی حقیقت کو ثابت کرنے کے لیے انگریزی میں ایک کتاب (THE FIRST WRITTEN CONSTITUTION IN THE WORLD) لکھی، جو ۱۹۷۵ء میں لاہور سے شائع ہوئی۔

’’میثاق مدینہ‘‘ رسول اکرمؐ کی سیاسی بصیرت اور حسن تدبر کا مثالی شاہ کار ہونے کے ساتھ ساتھ رواداری، امن وسلامتی، مذہبی آزادی اور عدل وانصاف کے ہر جوہر سے مزین ہے، یہ وہ تاریخی منشور ہے جس کی بدولت رسول اکرمؐ نے چودہ سو سال قبل ایک ایسا ضابطہ انسانی معاشرے میں قائم فرمایا، جس سے شرکائے معاہدہ میں ہر گروہ اور ہر فرد کو اپنے عقیدہ و مذہب پر اسلام کے فلسفۂ عدل و انصاف کی بناء پر آزادی اور حصول انصاف کا حق حاصل ہوا، رواداری اور مذہبی آزادی کا اصول وضع ہوا۔ ہر قسم کی انتہا پسندی کا خاتمہ ہوا۔ رواداری، امن سلامتی، مذہبی آزادی اور عدل وانصاف کا ہر جوہر اس میں موجود ہے۔

مدینے میں آباد مختلف قبائل اور مذہبی گروہوں کے باشندے جو طویل عرصے سے جنگ کی بھٹی میں جل رہے تھے، انہیں امن و سلامتی، رواداری اور عقیدہ و مذہب کی ضمانت فراہم کی گئی۔ یوں انتہا پسندی، طوائف الملوکی، بدامنی، ظلم وتشدد اور لاقانونیت کا خاتمہ ہوا، نسلی اور مذہبی لحاظ سے منتشر افراد ایک لڑی میں پرو دیے گئے۔ بدامنی، انتہا پسندی، جبر وتشدد اور جنگی جنون کے حامل عرب جاہلی معاشرے میں یہ اتنا تعجب خیز انقلاب تھا جسے مغربی مستشرق ہیل (HELL) نے سیاست نبویؐ کا اعجاز قرار دیتے ہوئے اسے رسول اکرمؐ کی سیاسی بصیرت کا شاہ کار اور امن پسندی کا نمونہ قرار دیا ہے۔ (۸۹)

نام ور عرب محقق اور سیرت نگار محمد حسین ہیکل لکھتے ہیں: ’’یہ وہ تحریری معاہدہ ہے جس کی بدولت رسول اکرمؐ نے آج سے چودہ سو سال قبل ایک ایسا ضابطہ انسانی معاشرے میں قائم فرمایا، جس سے شرکائے معاہدہ میں ہر گروہ اور ہر فرد کو اپنے اپنے عقیدہ و مذہب کی آزادی کا حق حاصل ہوا، انسانی زندگی کی حرمت قائم ہوئی‘‘۔(۹۰)

’’صلح حدیبیہ‘‘......رسول اکرم ﷺ کی رواداری، انسان دوستی اور امن وسلامتی کا مثالی نمونہ:

’’صلح حدیبیہ‘‘ مشرکین مکہ کی ایک ایسی دشمن قوم سے تھا جو ۲۰ برس کے طویل عرصے سے مسلمانوں پر ظلم توڑ رہی تھی اور برسرِ پیکار تھی، اس کے باوجود ’’معاہدۂ حدیبیہ‘‘ کی ایک ایک دفعہ پر سرسری نظر ڈالنے سے اندازہ ہوگا کہ نبی رحمت ﷺ امن وصلح کے کتنے خواہش مند تھے۔ آپؐ نے پُرامن بقائے باہم کے تحت معاہدے کو ترجیح دے کر جنگ سے اتنا گریز فرمایا کہ اس میں عام صحابہؓ بظاہر ذلت محسوس کر رہے تھے۔ ان کی غیرتِ ایمانی یہ کب برداشت کرسکتی تھی کہ حق وصداقت کے علمبردار ہوتے ہوئے وہ باطل سے دب کر صلح کرلیں، راہِ حق میں جان دینا اور سر کٹا دینا انہیں ہرگز گراں نہ تھا، لیکن یہ بات ان کے لیے ناقابلِ برداشت تھی کہ کفار من مانی شرائط پر ان سے صلح کرلیں۔ ہر شخص رنجیدہ خاطر تھا، ہر دل میں بے چینی اور بے قراری تھی۔ حضرت عمر فاروق اعظمؓ کے متعلق روایت ہے کہ بارگاہِ رسالتؐ میں اپنے دینی جذبات کے اظہار کے بعد آپ سیّدنا صدیق اکبرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے گویا ہوئے: ’’یا ابا بکر، الیس ھذا نبی اللہ حقاً (اے ابوبکرؓ) کیا حضورؐ اللہ کے سچے نبی نہیں ہیں۔ ’’قال بلیٰ‘‘ (انہوں نے جواب دیا، بے شک، حضور اکرمؐ اللہ کے سچے نبی ہیں۔

حضرت عمرؓ گویا ہوئے ’’السنا علی الحق وھم علی الباطل ‘‘کیا ہم حق پر نہیں، کیا وہ باطل پر نہیں ہیں۔ پھر فرمایا ’’الیس قتلانا فی الجنة و قتلاھم فی النار‘‘ کیا ہمارے مقتول جنت میں نہیں، کیا ان کے مقتول دوزخ میں نہیں۔ حضرت

ابوبکرؓ نے جواب میں فرمایا ''بلیٰ'' بے شک، ایسا ہی ہے۔ حضرت عمرؓ پھر گویا ہوئے: ''فعلام نعطی الدنیة فی دیننا، و نرجع و لم یحکم اللہ بیننا و بینھم'' پھر ہم دین کے معاملے میں یہ ذلت کیوں گوارا کریں (اور عمرہ کیے بغیر) لوٹ جائیں۔ حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے ابھی ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ نہیں کیا۔(۹۱)

معاہدۂ حدیبیہ میں طے پایا کہ:

(۱) مسلمان اس سال بغیر عمرہ ادا کیے واپس چلے جائیں۔ (۲) آئندہ سال آئیں اور وہ بھی صرف تین دن کے لیے۔ (۳) ہتھیار لگا کر نہ آئیں، صرف تلوار ساتھ لائیں، وہ بھی نیام میں۔ (۴) مکے میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہیں، انہیں ساتھ نہ لے جائیں اور اگر کوئی مدینے کا مسلمان باشندہ مکے میں ٹھہرنا چاہے، تو اسے نہ روکیں۔ (۵) اہلِ مدینہ میں سے کوئی شخص مدینے چلا جائے تو اسے واپس کردیا جائے لیکن اگر کوئی مسلمان مکے میں آجائے تو وہ واپس نہیں کیا جائے گا۔ (۶) قبائلِ عرب کو اختیار ہوگا کہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں، ہو جائیں۔ (۷) طے پایا کہ دس سال تک مسلمان اور قریش باہم جنگ نہیں کریں گے۔(۹۲)

بہ ظاہر معاہدۂ حدیبیہ کی تمام شرائط یک طرفہ تھیں اور ان پر عملدرآمد بھی بعید از انصاف۔ چنانچہ قریشِ مکہ نے معاہدۂ حدیبیہ کی تحریر کے وقت ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' لکھنے پر اعتراض کیا، حضورِ اکرمؐ نے اسے قبول کرتے ہوئے قریشی روایات کے مطابق ''باسمک اللّٰھم'' لکھوا دیا۔ اس کے بعد آپؐ کے اسمِ گرامی کے ساتھ ''رسول اللہ'' لکھنے پر اعتراض کیا گیا تو آپؐ نے اس کی جگہ ''محمد بن عبداللہ'' تحریر کروایا۔(۹۳) پُرامن بقائے باہم، مذہبی اعتدال پسندی اور غیر مسلموں سے سفارتی اور علاقائی تعلقات کے قیام کا اس سے بہتر نمونہ ملنا مشکل ہے۔ یہ رسولِ اکرمؐ کی امن پسندی، اعتدال، رواداری اور انسان دوستی کا شاہ کار ہے۔ آپؐ نے اسلام کے مطمحِ نظر کی تکمیل کے لیے اس معاہدے کی پوری پابندی کی، حالاں کہ صحابۂ کرامؓ جو اسلام اور پیغمبرِ اسلامؐ کے ایک اشارے پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے تھے، اس صلح پر بہ ظاہر ناخوش تھے، شیرِ خدا حضرت علیؓ اور فاروقِ اعظمؓ جیسے جاں نثار اس میں نظر آنے والی کمزور صلح کے خلاف تھے، جسے بعد ازاں قرآن نے ''فتحِ مبین'' قرار دیا، جو درحقیقت فتحِ مکہ کا دیباچہ تھی۔

قرآن کریم نے ''اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحاً مُّبِیْناً'' (۹۴) آیت نازل کرکے اس کا اعلان فرمایا۔

امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ ''صلح حدیبیہ'' ایسی عظیم الشان فتح تھی کہ اس سے قبل اس شان کی فتح نصیب نہیں ہوئی۔ باہم جنگ کی وجہ سے دو فریق آپس میں مل نہیں سکتے تھے۔ صلح حدیبیہ کی وجہ سے جنگ ختم ہوئی، امن قائم ہوا اور جو مسلمان اب تک مکے میں اپنے اسلام کو ظاہر نہیں کرسکتے تھے، وہ علانیہ احکام اسلام پر عمل کرنے لگے، باہمی منافرت اور دشمنی دور ہوئی۔ بات چیت کا موقع ملا، اسلامی مسائل پر گفتگو اور مناظرے کی نوبت آئی، مشرکین مکہ نے قرآن کو سنا، جس کا اثر یہ ہوا کہ صلح حدیبیہ سے لے کر فتح مکہ تک اس قدر کثرت سے لوگ اسلام لائے کہ آغازِ اسلام اور بعثتِ نبویؐ سے لے کر اس وقت تک اتنے مسلمان نہیں ہوئے تھے''۔(۹۵)

عرب مصنف محمد احمد باشمیل اپنی کتاب ''صلح حدیبیہ'' میں ''اضطراب کے وقت ضبطِ نفس'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں: ''رسول اکرمؐ نے ''صلح حدیبیہ'' کے ذریعے صحابۂ کرامؓ کو جو درس دیا، اسے ہر انسان کو یاد رکھنا چاہیے کہ جو ذمے داری اور قیادت کے منصب پر فائز ہو، وہ ضبطِ نفس اور اعصاب پر کنٹرول کرنے کا زیادہ پابند ہے، جہلاء کی زیادتی اور کم عقلوں کے مضطرب کرنے کے وقت صبر و تحمل اختیار کرنا اسوۂ نبویؐ ہے، اس خُلق سے آپؐ آراستہ تھے اور آپؐ نے سخت ترین حالات میں اس کا التزام کیا، حالانکہ اس وقت آپؐ فریقِ مخالف (اپنے بدترین دشمنوں) کو دگنی سزا دینے پر قدرت رکھتے تھے''۔(۹۶)

''فتح مکہ''...... رواداری اور امن وسلامتی کا شاہ کار:

یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ پیغمبر رحمت، محسن انسانیتؐ کی حیاتِ طیبہ عفوودرگزر، تحمل و برداشت اور رواداری سے عبارت ہے، تاہم اس کا تاریخ ساز موقع ''فتح مکہ'' رمضان ۸ھ/ جنوری ۶۳۰ء ہے کہ جب آپؐ کو اپنے بدترین دشمنوں، کفار مکہ پر کامل اختیار اور اقتدار حاصل تھا، اس تاریخی موقع پر محسن انسانیتؐ کی سیرتِ طیبہ میں عفوودرگزر، تحمل و برداشت اور رواداری کا وہ تاریخی اور شاندار نمونہ نظر آتا ہے جو فتوحات کی پوری انسانی تاریخ میں آپؐ کو ممتاز کرتا ہے۔(۹۷)

آپؐ نے اس موقع پر تمام امیدوں اور تصورات کے برخلاف رواداری پر مبنی مثالی انقلابی اعلان فرمایا: ''الیوم یوم المرحمة'' (۹۸) ''آج تو رحم و کرم، عفوودرگز اور ایثار و رواداری کا دن ہے، آج عفو عام کا دن ہے۔''

فتح مکہ کے سلسلے میں ابن اسحاق نے یہ روایت ذکر کی ہے: ''ان رسول اللہ ﷺ لما انتهیٰ الیٰ ذی طویٰ وقف علیٰ راحلته وانّ رسول اللہ ﷺ لیضع رأسه تواضعاً للہ حین رأیٰ ما اکرمه اللہ به من الفتح حتیٰ ان عتنونه لیکاد یمس واسطة الرحل'' (۹۹) ترجمہ: جب رسول اللہ ﷺ وادی ذی طویٰ میں پہنچے اور آپؐ نے دیکھ لیا کہ اللہ نے آپؐ کو فتح سے سرفراز کیا ہے، تو آپؐ نے ازراہِ تواضع اپنی سواری پر سر جھکا لیا اور یہاں تک جھکے کہ آپؐ کی ٹھوڑی قریب تھی کہ کجاوے کی لکڑی سے لگ جاتی۔

صحیح بخاری میں عبداللہ بن مغفلؓ سے روایت ہے کہ میں نے فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپؐ اونٹنی پر سوار ہیں اور خوش الحانی کے ساتھ ''سورۂ انا فتحنا'' پڑھ رہے ہیں۔

حضرت انسؓ راوی ہیں کہ جب آپؐ مکے میں فاتحانہ داخل ہوئے تو تمام لوگ آپؐ کو دیکھ رہے تھے لیکن آپ تواضع کی وجہ سے سر جھکائے ہوئے تھے۔(۱۱۰)

شانِ لطف واحسان کا اس سے بڑا مظاہرہ کیا ہوگا کہ کعبے کی کنجی قیامت تک کے لیے انہی عثمان بن طلحہؓ کو تفویض فرمائی، جن سے ایک بار در کعبہ کھلوانے کی خواہش حضورؐ نے دعوتِ اسلام کے ابتدائی دور میں کی، تو انہوں نے سختی سے انکار کر دیا تھا۔(۱۰۱)

"SPIRIT OF ISLAM" کے مصنف سیّد امیر علی لکھتے ہیں: ''بالکل بجا طور پر کہا گیا ہے کہ فتوحات کی تاریخ میں اس فاتحانہ ورود کی کوئی مثال نہیں ملتی''۔(۱۰۲)

اس موقع کی مرقع آرائی علامہ شبلی نعمانی کی زبانی سنیے: ''آپؐ نے مجمع کی طرف دیکھا تو جبّارانِ قریش سامنے تھے۔ رحمتِ عالم ﷺ نے ان کی طرف دیکھا اور خوف انگیز لہجے میں پوچھا: تم کو کچھ معلوم ہے میں تم سے کیا معاملہ کرنے والا ہوں؟ وہ لوگ اگرچہ ظالم تھے، شقی تھے، بے رحم تھے، لیکن مزاج شناس تھے، پکار اٹھے کہ تو شریف بھائی ہے اور شریف برادرزادہ ہے، ارشاد ہوا ''آج تم پر کچھ الزام نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو''۔(۱۰۳) صرف یہی نہیں، محسنِ انسانیت، نبی رحمت ﷺ نے مذہبی رواداری اور عام معافی کے اس مثالی اعلان کے ساتھ ساتھ امن کے قیام اور استحکام کے لیے ہدایات جاری فرمائیں کہ: (۱) جو کوئی ہتھیار پھینک دے، اسے قتل نہ کیا جائے۔ (۲) جو کوئی خانۂ کعبہ کے اندر پہنچ جائے، اسے قتل نہ کیا جائے۔ (۳) جو کوئی اپنے گھر کے اندر بیٹھ رہے، اسے قتل نہ کیا جائے۔ (۴) جو کوئی ابوسفیان کے گھر جا رہے، اسے قتل نہ کیا جائے۔ (۵) جو کوئی حکیم بن حزام کے گھر جا رہے، اسے قتل نہ کیا جائے۔ (۶) بھاگ جانے والے کا تعاقب نہ کیا جائے۔ (۷) زخمی کو قتل نہ کیا جائے۔(۱۰۴)

رواداری، امن پسندی اور امن وسلامتی کے قیام واستحکام کے حوالے سے نبی رحمت ﷺ کی سیرتِ طیبہ میں ''فتح مکہ'' ایسا تاریخ

ساز واقعہ ہے کہ جس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔ فتح مکہ کے تاریخ ساز موقع پر مسلم سیرت نگاروں اور دانشوروں سے قطع نظر غیر مسلم ہندو، سکھ، عیسائی اور دیگر مذاہب کے دانشوروں نے پیغمبر رحمت ﷺ کے مثالی کردار، رواداری اور عفو عام پر آپؐ کے حضور جو زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے، وہ ہدیۂ ناظرین ہے۔ پیغمبر رحمت ﷺ کا سکھ سیرت نگار جی۔ سنگھ دارا ''فتح مکہ'' کے موقع پر رحمۃ للعالمین ﷺ کے رحم وکرم اور رواداری پر (رسولِ عربی ﷺ) میں لکھتا ہے: ''رسول اللہ ﷺ نے اپنے قتل کے قصد کرنے والوں، اپنے نور چشم کے قاتلوں، اپنے چچا کا کلیجہ چبانے والوں کو، سب ہی کو معافی دے دی، اور قطعی معافی، قتل عام دنیا کی تاریخوں میں اکثر سنتے تھے، مگر قاتلوں کی معافی نہ سنی تھی۔'' (۱۰۵)

مشہور ہندو سیرت نگار سوامی لکشمن پرشاد کہتا ہے: ''جانی دشمنوں کے بارے میں حضور انور ﷺ کی اس انتہائی کریم النفسی اور رواداری کا عہد جدید کی دعویدارِ تہذیب وتمدن کی حکومتوں کی ان شرمناک عیارانہ چالوں سے مقابلہ کیا جائے جو انہوں نے ۱۹۱۴ء کی عالم سوز جنگ میں ایک دوسرے کو سامان خورونوش سے محروم کرنے کے لیے استعمال کیں، تو اس کی قدر و قیمت اور وقعت بدرجہا بڑھ جاتی ہے۔ (۱۰۶) وہ مزید لکھتا ہے: ''اس عدیم المثال حکم سے جو آپؐ نے اپنے لشکر کو دیا، ایسی محبت اور ہمدردی ٹپکتی ہے کہ اس کے تصور سے آج بھی انسان کے اخلاقی احساس میں ایک عجیب رفعت و وسعت پیدا ہوتی ہے..... جذباتِ صلح و آشتی کا ایسا بدیع المثال نمونہ تاریخ کے صفحات پیش کرنے سے قاصر ہیں۔'' (۱۰۷)

یورپین دانشور آرتھر گلیمن (ARTHUR GILLMAN) پیغمبرِ رحمت، محسنِ انسانیت ﷺ کی فتح مکہ کے موقع پر رواداری اور انسان دوستی پر آپ کے حضور خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''محمد ﷺ کی فتح درحقیقت دنیا کی فتح تھی، سیاست کی فتح تھی، انہوں نے ذاتی مفاد کی ہر علامت کو مٹا ڈالا، ظالمانہ نظام سلطنت کو جڑ سے اکھاڑ دیا اور جب قریش کے مغرور و متکبر سردار عاجزانہ گردنیں جھکائے مجرموں کی طرح کھڑے تھے تو محمد ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تمہیں مجھ سے کیا توقع ہے؟ ''رحم'' اے سخی وفیاض بھائی رحم'' وہ بولے۔ ارشاد ہوا جاؤ، تم سب آزاد ہو۔'' (۱۰۸)

دور حاضر میں دہشت گردی، انتہا پسندی اور عدم رواداری کے باعث پوری دنیا عدم توازن کا شکار ہے، ہر سطح پر فساد اور بگاڑ نظر آرہا ہے، دنیائے انسانیت کو اس بگاڑ اور فساد سے نجات کے لیے ایک متوازن اور صالح نظام کی ضرورت ہے اور وہ صرف اور صرف اسلام کے پاس ہے''۔ اسلام امن وسلامتی اور رواداری کا دین ہے۔ یہ وہ مذہب ہے، جس کے چشمۂ صافی سے محبت و ہمدردی کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ (۱۰۹)

اسلام دین رحمت اور ہمارے پیغمبر محسن انسانیت حضرت محمد مصطفی ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں، آپ ﷺ کا اسوۂ حسنہ اور آپؐ کی مثالی تعلیمات رواداری اور امن وسلامتی کی حقیقی ضامن ہیں۔ یہ وہ حقیقت ہے کہ جس کا اعتراف غیر مسلم دانش ور بھی کرنے پر مجبور ہیں۔ معروف غیر مسلم دانشور جارج برنارڈ شا (GEORGE BERNARD SHAW) لکھتا ہے: ''میری خواہش ہے کہ اس صدی کے آخر تک برطانوی ایمپائر کو حضرت محمدؐ کی تعلیمات مجموعی طور پر اپنا لینی چاہئیں۔ انسانی زندگی کے حوالے سے محمدؐ کی تعلیمات سے احتراز ممکن نہیں۔'' (۱۱۰)

(حواشی وحوالہ جات)

(۱) الکافرون/٦

(۲) الفاتحہ /۱-۲

(۳) نعیم صدیقی/محسنِ انسانیتؐ، لاہور، اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۷۷ء، ۲۲، ۲۳

(۴) محمد حمید اللہ/ رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، کراچی، دارالاشاعت، ۱۹۸۷ء، ص ۲۹

(۵) DENISON, J.H/EMOTION AS THE BASIS OF CIVILIZATION, LONDON, 1928.P.262

(٦) Robert Briffault/ The making of humanity Oxford University Press, U.S.A 1964, P; 64

(۷) الروم/۴۱

(۸) ابوالحسن علی ندوی/ نبی رحمتؐ، کراچی، مجلس نشریات اسلام، ۱۹۸۸ء، ص ۵۵

(۹) شبلی نعمانی/سیرت النبیؐ، لاہور، الفیصل ناشران۔ ۴/ ۱۵۷

(۱۰) شبلی نعمانی/سیرت النبیؐ ۴/ ۱۷٦

(۱۱) ابوالکلام آزاد/ اسلام کا نظریہ جنگ، لاہور، بساطِ ادب، ۱۹۸۷ء، ص ۱۲۴

(۱۲) محمود شکری آلوسی/ بلوغ الارب فی احوال العرب، مترجم پیر محمد حسن، لاہور، مرکزی اردو بورڈ، ۱۹٦۷ء، ۳/ ۴۹۰

(۱۳) شبلی نعمانی/سیرت النبیؐ ۴/ ۱۴۵

(۱۴) عمر فروخ/ تاریخ الجاہلیۃ، بیروت، دارالعلم، ۱۹٦۴ء، ص ۸۹

(۱۵) ایضاً محولہ بالا ص ۸۹

(۱٦) ایضاً حوالہ سابقہ ص ۸۹

(۱۷) جرجی زیدان/ العرب قبل الاسلام، قاہرہ، ۱۹۵۷ء، ص ۲۵۳

(۱۸) ابوالحسن علی ندوی، مولانا/ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، کراچی، مجلس نشریاتِ اسلام، ۱۹٦۷ء، ص ۴۷

(۱۹) شبلی نعمانی/سیرت النبیؐ، ۱/ ۳۲۹

(۲۰) محمود شکری آلوسی/ بلوغ الارب فی احوال العرب ۳/ ۴۹۱

(۲۱) البقرہ/٦۱

(۲۲) آل عمران/ ۱۲

(۲۳) البروج/ ۴ تا ۸

(۲۴) تفصیل کے لیے دیکھیے، Encyclopedia of Jews Religion, 1965

(۲۵) البقرہ/ ۸۵

(۲٦) تفصیل کے لیے دیکھیے: Encylopedia of Religion and Ethics, New York, 1931

(۲۷) استثناء ۲۰، ۱۳، ۱٦

(۲۸) سموئیل اول ۱۵: ۳

(۲۹) استثناء ۷: ۲۱، ۳، بحوالہ: غلام رسول چوہدری/ مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، لاہور، علمی کتب خانہ، ۱۹۹۸ء، ص ۳۹۴

(۳۰) شبلی نعمانی/ سیرت النبیؐ، لاہور، مکتبہ مدنیہ، ۱۴۰۸ھ، ۴/ ۱۲۲
(۳۱) ایضاً محولہ بالا، ص ۱۲۲
(۳۲) PETER, EDWARD/INQUISITION, UNIVERSITY OF CALIFORNIA PRESS, 1989, P.6 نیز دیکھیے ڈاکٹر مبارک علی/ یورپ کا عروج، لاہور، فکشن ہاؤس، ۲۰۰۰ء، ص ۴۷
(۳۳) ایضاً ۴/ ۱۲۳
(۳۴) ابوالحسن علی ندوی/ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، ص ۴۷
(۳۵) ایضاً محولہ بالا ص ۴۷، نیز دیکھیے راقم الحروف کی کتاب رسولِ اکرمؐ اور رواداری، کراچی، فضلی سنز، ۱۹۹۹ء، ص ۱۵۸
(۳۶) یجر وید ادھیا، ۱۳ منتر ۱۲
(۳۷) یجر وید ۱۵، ۱۷، ۱۹
(۳۸) ۱۳/ ۲۸
(۳۹) سام وید ۱۰ منتر ۳
(۴۰) منوشاستر باب اول/ ۳۱
(۴۱) دیکھیے CARD, RICHARD A.ED. BUDDHISM. NEW YORK, GEORGE BRAZILLER, 1961, HUMPHRELYS, CHRISTMAS, BUDDHISM. NEW YORK, PENGUIN BOOKS, 1951
(۴۲) الازہری، پیر محمد کرم شاہ/ ضیاء النبیؐ، لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۱/ ۵۵
(۴۳) ایضاً ۵۷
(۴۴) ارتھر کرسٹن/ ایران بعہد ساسانیاں، مترجم ڈاکٹر محمد اقبال، کراچی، انجمن ترقی اردو، ص ۴۰۸
(۴۵) ساحل، ماہنامہ، کراچی، جون ۲۰۰۵ء، ص ۶۷
(۴۶) بحوالہ ساحل، ماہنامہ، کراچی، جون ۲۰۰۵ء، ص ۱)
(۴۷) ایضاً محولہ بالا ص ۶۹
(۴۸) اخبار جہاں، ہفت روزہ، کراچی، ۲۵ ستمبر ۱۹۹۵ء، ص ۶۲
(۴۹) محمد سلیمان منصور پوری/ رحمۃ للعالمینؐ، کراچی، دارالاشاعت، ۱۴۱۱ھ، ۲/ ۲۴۲
(۵۰) مجتبیٰ موسوی/ مغربی تمدن کی ایک جھلک، دہلی، ترقی اردو بیورو، ص ۷۷
(۵۱) محمد سلیمان منصور پوری/ رحمۃ للعالمینؐ، ۲/ ۲۴۲
(۵۲) بحوالہ ساحل، ماہنامہ، کراچی، جون ۲۰۰۵ء، ص ۱
(۵۳) محمد حمید اللہ/ خطباتِ بہاول پور، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی، ۱۹۹۲ء، ص ۲۳۸، ۲۳۹
(۵۴) محمد حمید اللہ/ عہد نبویؐ کے میدانِ جنگ، لاہور، ادارہ اسلامیات، ص ۲
(۵۵) خورشید گیلانی/ فکر اسلامی، لاہور، خورشید گیلانی ٹرسٹ، ۲۰۰۳ء، ص ۱۰
(۵۶) اقبال، کلیاتِ اقبال، لاہور، غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۹۶ء، ص ۲۰۵
(۵۷) خورشید احمد گیلانی/ فکر اسلامی، ص ۱۱
(۵۸) خورشید احمد گیلانی/ فکر اسلامی، ص ۱۲
(۵۹) آل عمران/ ۱۵۹
(۶۰) نیز دیکھیے: آل عمران/ ۱۳۴، الشوریٰ/ ۴۳۔ المومنون/ ۹۶۔ ۹۸، الاحقاف/ ۵۳
(۶۱) دیکھیے قرآنی آیات: طٰہٰ/ ۱۳۰، المدثر/ ۱، ۲، ۷، الطور/ ۴۸، الاحقاف/ ۳۵

(۶۲) بخاری/ الجامع الصحیح، ۲/ ۱۷، دمشق، دار ابن کثیر، ۱۴۱۰ھ
(۶۳) احمد بن حنبل/ المسند، بیروت، دار صادر، ۳/ ۱۲۰
(۶۴) ترمذی/ الشمائل باب ماجاء فی خلقه، بیروت، دار احیاء التراث العربی ص ۲۱
(۶۵) ترمذی/ الجامع ۴/ ۳۷۲
(۶۶) ابوالکلام آزاد/ رسولِ رحمتؐ، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز ص ۴۳۹
(۶۷) حافظ ابن حجر عسقلانی/ فتح الباری، قاہرہ، مصطفی البابی الحلبی ۱۳/ ۲۹
(۶۸) المائدہ/ ۳۲
(۶۹) مسلم/ الجامع الصحیح، بیروت، ۱/ ۶۴
(۷۰) المائدہ/ ۳۳، ۳۴
(۷۱) ابوالحسن علی ندوی، مولانا، نبی رحمتؐ، کراچی، مجلس نشریاتِ اسلام ص ۵۸۳
(۷۲) البقرہ/ ۱۴۳
(۷۳) دیکھیے: بنی اسرائیل/ ۲۹، الفرقان/ ۴، بنی اسرائیل ۲۶، ۲۷
(۷۴) بخاری/ الجامع الصحیح ۱/ ۳۹
(۷۵) المنذری/ الترغیب والترھیب، قاہرہ، ادارۃ الطباعۃ المنیریہ
(۷۶) الاحقاف/ ۳۵
(۷۷) الشوریٰ/ ۴۰
(۷۸) نیز دیکھیے: البقرہ/ ۲۲۵، آل عمران/ ۱۵۵، النساء/ ۱۲، الحج/ ۵۹، البقرہ ۲۶۳
(۷۹) ترمذی/ الجامع ۴/ ۳۷۲
(۸۰) النساء/ ۱۴۹، نیز دیکھیے: الاعراف/ ۱۹۷، ۱۹۸، المومنون/ ۹۶، النور/ ۲۲
(۸۱) الشوریٰ/ ۴۰
(۸۲) آل عمران/ ۱۳۴
(۸۳) شبلی نعمانی/ سیرت النبیؐ، ۲/ ۲۱۴
(۸۴) میثاقِ مدینہ کے متن اور دیگر تفصیلات کے لیے دیکھیے: ابن ہشام/ السیرۃ النبویہ، بیروت، دار الفکر، ۲/ ۱۱۹، ۱۲۰، ابن کثیر/ البدایہ والنہایہ، بیروت، دار المعرفہ ۱۹۶۹ء، ۳/ ۲۲۴، محمد حمید اللہ، ڈاکٹر/ الوثائق السیاسیہ فی العہد النبویؐ، قاہرہ، لجنۃ التالیف والترجمہ ۱۹۴۱ء، ص ۱۔۷
(۸۵) دیکھیے: محمد حمید اللہ/ عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی، کراچی، اردو اکیڈمی، ۱۹۸۷ء، ص ۱۹۶۔۱۹۸، دیگر تفصیلات کے لیے دیکھیے۔ راقم الحروف کا تحقیقی مقالہ ''میثاق مدینہ۔ سیاست نبویؐ کا مثالی شاہکار'' مطبوعہ السیرہ، ششماہی، ربیع الاول ۱۴۲۱ھ، ص ۱۳۳۔۱۶۶
(۸۶) محمد حمید اللہ/ عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی، ص ۱۰۲
(۸۷) محمد رسول اللہؐ (مقالات سیرت النبیؐ) لاہور، مطبوعہ شعبہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۱۹۸۲ء، ص ۱۶۷
(۸۸) محمد حمید اللہ/ عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی/ ص ۷۶، ایضاً/ رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، کراچی، دار الاشاعت، ۱۹۸۷ء، ص ۲۵۵، ایضاً/ خطبات بہاولپور، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی، ۱۹۹۲ء، ص ۲۳۶
(۸۹) بحوالہ: پیر محمد کرم شاہ الازہری/ ضیاء النبیؐ، لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۱۴۱۵ھ، ۳/ ۱۹۹
(۹۰) حسین ہیکل/ حیاۃ محمدؐ، قاہرہ، مطبعۃ النہضۃ العصریہ، ۱۹۴۷ء، ص ۲۲۷
(۹۱) یوسف الصالحی الشامی/ سبل الھدیٰ والرشاد، قاہرہ، ۱۹۷۵ء، ۵/ ۸۷

(۹۲) خالد علوی، ڈاکٹر/ انسانِ کاملؐ، لاہور، الفیصل ناشران، ۲۰۰۱ء، ص ۷۱

(۹۳) صلح حدیبیہ کے متن کے لیے دیکھیے: محمد حمید اللہ/ الوثائق السیاسیہ فی العہد النبویؐ، ص ۷۹، ۸۰

(۹۴) سورۃ الفتح/ ۱

(۹۵) ابن حجر عسقلانی/ فتح الباری/ بیروت، دار المعرفہ ۵/ ۲۵۶

(۹۶) محمد احمد باشمیل/ صلح حدیبیہ/ مترجم، اختر فتح پوری، کراچی، نفیس اکیڈمی، ۱۹۸۵ء، ص ۲۵۶

(۹۷) تفصیل کے لیے دیکھیے: ابن سید الناس/ عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر، قاہرہ، ۱۹۷۰، الواقدی/ محمد بن عمر/ کتاب المغازی، بیروت، موسسۃ الرسالہ، محمود شیث خطاب/ الرسول القائد، بغداد، مکتبۃ الحیاۃ، ۱۹۶۰

(۹۸) ابن قیم الجوزی/ زاد المعاد، بیروت، مکتبۃ الرسالہ، ۱۹۷۹ء، ۱/ ۴۲۳

(۹۹) ابن ہشام/ السیرۃ النبویہ ۴/ ۳۴

(۱۰۰) حاکم/ المستدرک، ریاض، مکتبۃ المعارف، ۳/ ۴۷

(۱۰۱) نعیم صدیقی/ محسن انسانیتؐ، ص ۴۴۲

(۱۰۲) امیر علی/ روح اسلام، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ص ۱۲۹

(۱۰۳) شبلی نعمانی/ سیرت النبیؐ، ۱/ ۲۹۴

(۱۰۴) محمد سلیمان منصور پوری/ رحمۃ للعالمینؐ، ۱/ ۱۲۹

(۱۰۵) جی سنگھ دارا/ رسول عربیؐ، لاہور، سیرت اکیڈمی، ۱۹۸۹ء، ص ۱۱۸

(۱۰۶) سوامی لکشمن پرشاد/ عرب کا چاند، لاہور، مکتبہ تعمیر انسانیت، ص ۳۵۳، ۳۵۴

(۱۰۷) ایضاً محولہ بالا ص ۳۹۴

(۱۰۸) ARTHER GILLMAN/THE SARACENS, LONDON, P.184,185

(۱۰۹) یوسف القرضاوی/ المبشرات بانتصار المسلمین، مترجم عبدالحلیم فلاحی، لاہور، منشورات ۲۰۰۴ء، ص ۱۱

(۱۱۰) حافظ محمد ثانی، ڈاکٹر/ تجلیات سیرت، کراچی، فضلی سنز، اشاعت سوم، ص ۹۵